ڈرامے کی آگ
اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ

اور— انسپکٹر جمشید سیریز 12

ناول نمبر ۵۴۶

ڈرامے کی آگ

اشتیاق احمد

نام ناول ـــــ ڈرامے کی آگ
طابع ـــــ اشتیاق احمد
کتابت ـــــ سعید نامدار
سرورق ـــــ محمد مقصود عُنید
قانونی مشیر ـــــ شمیم احمد ایڈووکیٹ
مطبع ـــــ عظیم علیم پرنٹرز
قیمت ـــــ دس روپے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آقائے نامدار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک شخص کا کھانا دو شخصوں کو کفالت کرتا ہے اور دو کا کھانا چار کو اور چار کا آٹھ کو۔

سُنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم

صفحہ نمبر ۴۹، حدیث نمبر ۱۲۸

(ف یعنی جب ایک آدمی کا پیٹ بھر کھانا ہو تو دو آدمیوں کو کافی ہو جائے گا، یعنی دو آدمی اس پر گزارا کر سکتے ہیں، گو شکم سیر نہ ہوں۔ بعضوں نے کہا، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کھانے کی قلت ہو اور مسلمان بھوکے ہوں تو ہر ایک آدمی کو مستحب ہے کہ اپنے کھانے میں ایک اور بھائی کو شریک کرے۔ اس طرح دونوں زندہ رہ سکتے ہیں۔ کم کھانے میں فائدہ بھی ہے، آدمی چست چالاک رہتا ہے اور صحت عمدہ رہتی ہے۔)

السلام علیکم !

ہمارے ملک میں جمہوریت آج کل عجیب شکل میں نمودار ہوئی ہے - پورا ملک اس مغربی جمہوریت کا شکار ہے - ہر شخص اب یہ بات بخوبی محسوس کر رہا ہے کہ یہ جمہوریت دراصل ہمارے لیے ہے ہی نہیں - نہ ہم اس جمہوریت کے لیے ہیں - اسلام میں اس جمہوریت کا کوئی تصور قطعاً نہیں ہے -

لیکن شاید آپ نے آج تک ایک عجیب ترین بات کی طرف قطعاً دھیان نہیں دیا ہو گا --- میں نے جب سے اس بات پر غور کرنا شروع کیا ہے - حد درجے عجیب احساسات کا شکار ہو کر رہ گیا ہوں -

امریکہ ہمارے ملک میں جمہوریت کا سب سے بڑا حامی ہے - وہ ہر وقت یہ راگ الاپتا رہتا

ہے کہ پاکستان میں جمہوریت کی قدریں بحال رہنی چاہییں - لیکن ایک بات پر آج تک کسی نے توجہ نہیں دی - جب کہ میں چاہتا ہوں، سبھی لوگ اس بات پر خوب توجہ دیں - پاکستان کا ہر شہری توجہ دے - اب ہر شہری تو میرے ناول نہیں پڑھتا، لہٰذا جو ناول پڑھتے ہیں، وہ دوسروں کی توجہ اس طرف دلائیں - میرا سوال صرف اور صرف یہ ہے :

جیسی جمہوریت خود امریکہ میں رائج ہے - امریکہ ہمارے ملک میں بالکل ویسی جمہوریت کیوں رائج نہیں کرا دیتا ؟ ذرا غور تو کریں -

اشتیاق

حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے منع فرمایا:

- قبروں کو پُختہ کرنے سے۔
- قبروں پر کتبے لگانے سے۔
- قبروں پر عمارتیں بنانے سے۔
- قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے۔
- قبروں پر عُرس کرنے سے۔
- قبروں پر چراغاں کرنے سے۔
- قبروں پر عورتوں کے جانے سے۔
- قبروں کو بلند کرنے سے۔
- قبروں پر میلہ لگانے سے۔
- قبروں کو پوجنے سے۔

بحوالہ:

بُخاری — مُسلم — ترمذی — ابنِ ماجہ —
ابوداؤد — نسائی — موطا امام مالک — مشکوٰۃ

خالص کیس
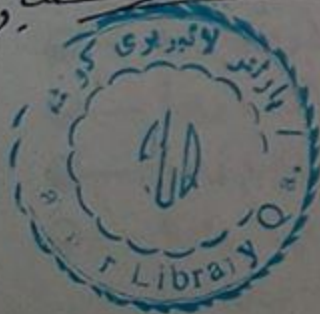
اُن کی کار ایک جھٹکے سے رُک گئی۔ اُنھوں نے حیران ہو کر خان رحمان کی طرف دیکھا:

"کیا بات ہے انکل۔ آپ نے کار کیوں روک دی؟"

"کار مَیں نے نہیں روکی۔ یہ خود بخود رُکی ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں"۔ یہ کہہ کر خان رحمان نیچے اُتر گئے۔

اُنھوں نے کار کا انجن چیک کیا۔ کوئی خرابی نظر نہ آ سکی۔ بار بار انجن سٹارٹ کرنے کی کوشش کی، لیکن ہو نہ سکا:

"معلوم ہوتا ہے۔ مجھے نیچے اُترنا پڑے گا"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"لیکن بھئی۔ تم مجھ سے بڑے مکینک نہیں ہو"۔ خان رحمان مُسکرائے۔

"تب پھر مَیں اُتر آتا ہوں"۔ پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"میرا خیال ہے — ہم بھی کوشش کیوں نہ کریں۔"
"ضرور ضرور۔" خان رحمان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
اُن سب نے کار کا انجن چیک کیا، لیکن وُہ
کار سٹارٹ نہ کر سکے — ایسے میں پروفیسر داؤد کی نظریں
اپنی جیب پر پڑیں:
"ارے! میرا قلم کہاں گیا؟"
"قق — قلم۔" فارُوق نے بوکھلا کر کہا۔
"قق قلم نہیں — قلم — یعنی کہ پن — جس سے لکھتے ہیں،
وُہ میری جیب میں تھا — ابھی جب مَیں کار سے نیچے
اُترا، میں انجن دیکھنے کے لیے جھکا ہی تھا کہ سیدھا
ہوتے ہی پن غائب ہو گیا۔"
"حیرت ہے — کیا ہم کسی جادوئی دیس میں پہنچ گئے
گئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"اگر یہ بات ہے تو پھر پیچھے مُڑ کر نہ دیکھیے گا — کک —
کہیں پتھر کے نہ بن جائیں۔"
"جمشید — تم ذرا جھکنا۔"
"مجھے اپنا قلم گم کرانے کا کوئی شوق نہیں۔"
"اوہو — تم جھکو تو سہی — ایک درجن پن میں تمھیں دے
دوں گا۔"

"یہاں — اس پہاڑی علاقے میں — جہاں سوائے پہاڑوں
کے اور کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔"
"یہاں نہیں — شہر چل کر۔"
"شہر چل کر تو میں خود قلم خرید لوں گا — بات تو یہاں
کی ہے — اگر کچھ لکھنے کی ضرورت پیش آ گئی تو کیا
کروں گا۔"
"بھئی ابھی محمود، فارُوق اور فرزانہ کی جیبوں میں قلم
ہیں۔" اُنھوں نے جھلّا کر کہا۔
"اوہ ہاں — یہ بھی ٹھیک ہے — خیر یہ لیجیے — جھک
گیا۔" انھوں نے جھکتے ہوتے کہا۔
"اب سیدھے ہو جاؤ۔"
وُہ سیدھے ہو گئے، لیکن پن اُن کی جیب میں ہی رہا:
"حیرت ہے — ارے ہاں — یاد آیا — فارُوق تم ذرا
ادھر آنا۔"
"مم — میں — یعنی کہ میں۔"
"یار کمال ہے — تم ڈر کس بات سے رہے ہو۔"
"جادوئی دیس میں ڈرنا اچھا۔"
"چلو چلو — میں جانتا ہوں — تم ڈر نہیں رہے —
صرف ڈرنے کی ایکٹنگ کر رہے ہو — یہ اور بات ہے کہ

ایکٹنگ بہت زبردست ہے اور ہمارے علاوہ کوئی یہ نہیں
کہہ سکتا کہ تم ڈر نہیں رہے ۔ اب یہاں آ جاؤ ۔ اور
جھک کر دکھاؤ۔"

"تت ۔ تو کیا آپ سب کو جھکوا جھکوا کر دیکھیں گے؟"

"ہاں! آج شاید جھکنے کا دن ہے۔"

ارے باپ رے۔"

پھر فاروق بھی جھکا، لیکن قلم اس کی جیب میں
رہا ۔ اچانک پروفیسر کو کوئی خیال آیا ۔ انھوں نے اس
کا رُخ بدل دیا، یعنی جھکے ہوئے فارُوق کا ۔ پھر
اچانک ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا:

"ارے ۔ یہ کیا؟"

"کہاں کیا ۔ یہ ارے آپ کے منہ سے کیسے نکل گیا؟"
فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"فف ۔ فارُوق کا پن بھی گیا۔"

"نن ۔ نہیں" فارُوق نے بوکھلا کر کہا۔

اُنھوں نے دیکھا ۔ فارُوق کا قلم بھی غائب تھا۔

"اب محمود ۔ تم بھی بالکل اسی طرف منہ کر کے جھکو۔"

"مم ۔ میرا پن ۔ بہت پیارا ہے انکل۔"

"مل جائیں گے ۔ فکر نہ کرو۔" انھوں نے منہ بنایا۔

وُہ جھکا، لیکن اس کا پن غائب نہ ہوا ۔ پروفیسر داؤد
کی پیشانی پر بل پڑ گئے:

"خان رحمان ۔ ذرا دھکا لگا کر کار کو پیچھے کرو۔"

"کک ۔ کیوں؟"

"یار تم کرو تو سہی۔" وُہ تلملا کر بولے۔

اُنھوں نے مل کر دھکا لگایا، کار پیچھے ہٹ گئی:

"اب گاڑی سٹارٹ کرو۔"

"اب کیا ہو گیا؟"

"بھئی جو کر رہا ہوں ۔ وُہ کرو ۔ اس لیے کہ یہ خالص
میرا کیس ہے۔" وُہ مُسکرائے۔

"خالص آپ کا کیس ۔ مطلب یہ کہ یہ سائنسی کیس
ہے ۔ اور اس کیس میں ہمیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔"
فارُوق خوش ہو گیا۔

"خیر یہ بات بھی ۔ میری مدد تو کرنا پڑے گی۔"

"اوہ!" فارُوق نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"لیکن ہم کیس حل کرنے کب نکلے ہیں انکل ۔ ہم تو
پہاڑوں کے اُس پار جو خوب صورت وادی ہے، اس کی
سیر کے لیے نکلے ہیں۔"

"ہاں! مجھے یاد ہے، لیکن درمیان میں جب کوئی

کیس نکل آئے تو کیا تم آگے بڑھ جاتے ہو، کیس کو نظرانداز کرکے؟" انھوں نے جھلا کر کہا۔

"نن۔ نہیں تو۔ ہم ایسا تو نہیں کرتے۔"

"تو اب بھی ویسا ہی کرو۔"

"اچھا فرمائیے۔"

"گاڑی سٹارٹ کرکے دیکھو۔"

خان رحمان نے اندر بیٹھ کر چابی گھمائی۔ گاڑی کا انجن فوراً سٹارٹ ہو گیا:

"ارے! یہ کیا۔ گاڑی تو ٹھیک ہو گئی۔ اس کا مطلب ہے۔ دو عدد پنوں کی قربانی کا مسئلہ تھا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ یہ سودا کچھ مہنگا نہیں رہا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن بھئی۔ میرا پن بہت اچھا تھا۔"

"انکل اس سے اچھے ایک درجن دلوا دیں گے، کیوں انکل؟" فرزانہ نے پروفیسر داؤد کی طرف دیکھا۔

"ایک نہیں۔ دس درجن۔"

"ارے باپ رے۔ اتنے پنوں کے ذریعے میں کس طرح لکھوں گا۔" فاروق بوکھلا اٹھا۔

"اس کی ترکیب بھی پروفیسر انکل تمہیں بتا دیں گے۔"

فرزانہ مسکرائی۔

"ہائیں۔ کیا کہا۔ کس کی ترکیب بتا دوں گا میں۔ ویسے جواب سننے سے پہلے ہی میں کہے دیتا ہوں کہ ترکیب میں بتا دوں گا۔ ہاں اب بتاؤ۔ کس چیز کی ترکیب کی بات ہو رہی تھی۔"

"ایک سو بیس پنوں سے ایک ہی وقت میں لکھنے کی ترکیب۔" محمود بولا۔

"ارے باپ رے۔ یہ ترکیب تو میں نہیں بتا سکوں گا۔ بہتر ہو گا۔ فرزانہ کی خدمات حاصل کرو۔"

"ضرور انکل کیوں نہیں۔ یہ ترکیب بتانا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"وہ ہم ابھی نہیں سنیں گے۔ پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ گاڑی کے انجن کو کیا ہو گیا۔ ہم سب کوشش کرکے تھک چکے تھے۔ سٹارٹ نہیں ہو رہا تھا۔ اب کیسے ہو گیا۔" انسپکٹر جمشید جھلا اٹھے۔

"بس ابا جان۔ موڈ کی بات ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"کس کے موڈ کی۔ تمھارے یا گاڑی کے۔" انسپکٹر جمشید نے آنکھیں نکالیں۔

"میرا موڈ اس معاملے میں کہاں سے ٹپک پڑا۔ بات

تو گاڑی کی ہو رہی ہے ابا جان۔"

"خان رحمان — گاڑی کو آگے بڑھاؤ۔"

"جو حکم۔" انھوں نے کہا اور گاڑی کو آگے بڑھاؤ — باقی
لوگ نیچے کھڑے رہ گئے۔

گاڑی ذرا سا چلی اور ٹھیک اس جگہ آ کر رک گئی —
جہاں پہلے رُکی تھی — اس کا انجن پھر بند ہو گیا:

"انجن سٹارٹ کرنے کی کوشش کرو۔"

"کر رہا ہوں — ہو نہیں رہا۔" انھوں نے پریشان ہو
کر کہا —

"اچھا — ایک بار پھر گاڑی کو پیچھے کرتے ہیں۔"

انھوں نے گاڑی کو پھر دھکا لگایا:

"اب انجن سٹارٹ کرو۔"

انھوں نے انجن سٹارٹ کیا — ہو گیا:

"اب اسے پیچھے کی طرف لے جا کر دیکھو۔"

خان رحمان گاڑی کو واپس لے جانے لگے — وہ
چلتی رہی:

"کمال ہے — یہ اِس طرف چلتی ہے — اور اُس طرف نہیں۔"

ایسے میں انھوں نے کسی کے ہنسنے کی آواز سُنی —
انھوں نے چونک کر دیکھا — اٹھارہ انیس سال کا لڑکا

بُری طرح ہنس رہا تھا — اس کے جسم پر گدڑیوں جیسا
لباس تھا — شاید وہ انھیں یہاں دیکھ کر اس طرف آ
گیا تھا —

"یہ ہنسی کی فضول خرچی کس لیے کر رہے ہو میاں۔"
فارُوق نے بے زاری کے عالم میں کہا۔

"آپ لوگوں کی حرکتیں دیکھ کر ہنسی آ رہی ہے۔"

"آپ یہاں رہتے ہیں؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"ہاں: اس طرف نیچے — بہت نیچے — وادی میں۔"

"بھیڑیں چراتے ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں!" اس نے کہا۔

"اپنے ہنسنے کی وجہ بتا سکیں گے؟"

"ہاں! آپ لوگوں کی بوکھلاہٹوں پر ہنس رہا ہوں،
آپ کی گاڑی یہاں سے آگے نہیں بڑھے گی۔" اس
نے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"بابا جی کی دُعا کی وجہ سے۔"

"کیا کہا — بابا جی کی دُعا کی وجہ سے۔"

"ہاں! بابا جی نے دُعا کی تھی — جو گاڑی بھی یہاں
سے گزرنے لگے گی — رک جائے گی — وہ اس وقت

تک آگے نہیں بڑھے گی۔ جب تک کہ ان کے مزار پر
جا کر ان کی آل اولاد کو خوش نہ کیا جائے۔"

"ارے ارے۔ یہ کیا کہہ رہے ہو بھئی۔ ہم ان باتوں
کو نہیں مانتے۔ صرف اور صرف ایک اللہ کو مانتے ہیں۔
اس ساری دُنیا کا کارساز وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حُکم کے
بغیر تو ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔"

"ہاں! لیکن بابا جی بھی تو اللہ کے نائب تھے۔ اللہ تعالیٰ
نے انھیں بھی تو بہت اختیارات دے رکھے تھے۔ لہٰذا
بابا جی جو چاہتے ہیں۔ اب تک وہی ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب۔ کیا وہ بابا جی اب اس دُنیا میں نہیں
ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"نہیں۔ انھیں فوت ہوئے تو سو سال سے زائد ہو
گئے ہیں۔"

"اوہ۔ اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"وہ۔ اس طرف۔ ان کا مزار ہے۔ مزار کے ساتھ ایک
گھر ہے۔ اس گھر میں بابا جی کے بچے رہتے ہیں۔ آپ کی
چیزیں بھی وہیں مل جائیں گی۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ ہمارے قلم۔"

"ہاں!" اس نے کہا۔

"غلط ہے۔ ایسی باتیں یوں تو ہم سُنتے چلے آئے
ہیں، لیکن واسطہ پہلی بار پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ
قرآن کریم میں فرماتے ہیں۔ مجھے پکارا کرو۔
میں تمھاری دُعا اور پکار کو سُنتا ہوں۔ اگر اللہ
نے اس طرح اپنے اختیارات دُوسروں کو دینے
ہوتے تو پھر یہ آیت کیوں اتری تھی۔ اور پھر
ہمارے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی اس قسم
کی تعلیم نہیں دی۔ کہ میرے پاس یہ اختیارات
ہیں۔ اللہ نے مجھے یہ۔ یہ اور فلاں فلاں اختیارات
سونپ رکھے ہیں۔ آپ کی زبانِ مبارک سے تو
اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں یہ کہلوایا ہے کہ
میرے اختیار میں کچھ نہیں۔ سب کچھ اللہ ہی
کے اختیار میں ہے۔ اور یہ بھی کہلوایا گیا کہ
میرے پاس خزانوں کی کنجیاں نہیں ہیں۔ کسی
کے بھلے اور بُرے کا اختیار میں نہیں رکھتا۔ جب
دُنیا کے سب سے بڑے انسان سے یہ کلمات
کہلوائے گئے۔ تو یہ بابا جی کون ہوتے ہیں۔
ہمارے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد اگر کوئی
ایسی بات ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ضرور

دعویٰ کرتے کہ وُہ اس اس قسم کے اختیارات کے
مالک ہیں — لیکن کسی صحابی نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں
کیا۔" انسپکٹر جمشید روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

"یہ باتیں تو میری سمجھ میں نہیں آئیں گی — آپ خود
چل کر بات کر لیں۔"

"وہاں تو خیر ہمیں جانا ہی پڑے گا — اور کچھ نہیں
تو اپنے پن وصول کرنے کے لیے۔"

"نہیں — ہم یہاں کے بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھا
راستا ضرور بتائیں گے — وہ اس پر چلنے کے لیے راضی
ہوں یا نہ ہوں۔"

"لیکن جمشید — ابھی میں نے اپنا کام پورا نہیں کیا۔
وادی میں ہم بعد میں اتریں گے — پہلے میں یہاں اپنا
کام پورا کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اور پھر وہ اپنے آلات کے ذریعے اس جگہ کا جائزہ
لینے لگے۔

گڈریا حیرت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"حیرت انگیز — بہت ہی حیرت انگیز — جمشید — مجھے
تو شاید شہر بھی جانا پڑے۔"

"لیکن شہر کو تو ہم بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں — آپ
وہاں کیوں جانا چاہتے ہیں؟"

"کچھ آلات لانے کے لیے — خیر — پہلے نیچے اترتے
ہیں — اگر آلات کے بغیر کام چلتا نظر نہ آیا — تو پھر
ہم شہر جائیں گے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" محمود نے فوراً کہا۔

اب وُہ گڈریے کی طرف مڑے:

"کیا آپ ہمیں وہاں تک لے جا سکیں گے؟" انھوں
نے کہا۔

"ہاں! ضرور — کیوں نہیں — وُہ دیکھیے — یہاں سے
وادی بالکل صاف نظر آتی ہے — یہاں سے بالکل
سیدھ میں ہے نا — آگے بڑھیں گے تو پھر نظر نہیں آئے
گی — میں آپ کو مختصر ترین راستے سے لے جاؤں گا،
لیکن سو روپے لوں گا۔"

"ضرور کیوں نہیں — ویسے کیا تم ان سب لوگوں سے
سو روپے لیتے ہو — جو یہاں رک جاتے ہیں؟" انھوں نے
حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ہاں! یہاں سے گزرنے والی ہر گاڑی یہاں ضرور
رکتی ہے۔"

"تب تو ٹھیک ہے — ہم بھی سو روپے دیں گے۔"

وہ ان کے آگے چلنے لگا — اور نیچے اترنے لگے — انھیں تقریباً ایک گھنٹے تک چلنا پڑا — تب کہیں جا کر ایک شان دار مزار نظر آنے لگا:

"شاید ہم نزدیک پہنچ گئے"

"ابھی آدھ گھنٹے کا فاصلہ اور ہے۔"

"اوہو اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

وہ چلتے رہے — آخر آدھ گھنٹے بعد وہ مزار کے بالکل سامنے جا پہنچے —

انھوں نے سو روپے کا نوٹ گڈریے کو دے دیا، پھر آگے بڑھے:

"آپ لوگوں کے پن مزار کی سامنے والی دیوار سے چپکے ہوئے ہوں گے — مزار کے غلّے میں پانچ پانچ سو روپے ڈال دیں — آپ کے قلم آپ کو مل جائیں گے۔"

"پانچ پانچ سو روپے۔" فاروق نے مارے حیرت کے کہا۔

"ہاں! مجبوری ہے — اس کے بغیر باباجی کی روح خوش نہیں ہو گی۔"

اب انھوں نے مزار کی دیوار کا جائزہ لیا — وہاں واقعی ان کے پن لگے نظر آئے —

پروفیسر داؤد نے اس دیوار کا جائزہ لیا — وہ لوہے یا کسی اور دھات کی نہیں تھی — بلکہ پتھروں کی بنی ہوئی تھی — ان پتھروں سے قلم اس طرح چپکے ہوئے تھے، جیسے لوہے کی چیز مقناطیس سے چپک جاتی ہیں — انھوں نے قلم الگ کرنا چاہے، لیکن قلم اس بُری طرح چپکے ہوئے تھے کہ زور لگانے پر بھی الگ نہ ہوتے —

"یہ ایسے الگ نہیں ہوں گے — پہلے آپ کم از کم سو سو یا دو دو سو روپے اس غلّے میں ڈالیں، پھر یہ قلم الگ ہوں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

انھوں نے سو سو روپے غلّے میں ڈالے — اب جو پن الگ کرنا چاہے تو وہ خود بخود ان کے ہاتھوں میں آ گئے:

"کمال ہے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"کیا آپ ہماری ملاقات باباجی کے گھر والوں سے کرا سکتے ہیں؟"

"ہاں! کیوں نہیں — اس مزار کے دوسری طرف ایک بڑا سا گھر نظر آ رہا ہے نا — وہ سب اس میں رہتے ہیں۔"

"تو پھر ہمیں ان کے پاس لے چلو۔"

"آئیے۔" اس نے کہا۔

چکر کاٹ کر وہ گھر کے دروازے پر پہنچے ۔ دروازے
پر انھیں رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ اندر داخل ہو گیا،
جلد ہی باہر نکلا اور انھیں اندر داخل ہونے کا اشارہ
کیا ، پھر وہ اس کے پیچھے گھر کے اندر داخل ہوتے ۔

دوسرا لمحہ حیران کن تھا ۔

بڑا میدان

کمرے میں چند پتھر کے بُت نصب تھے ۔ ان میں ایک
بوڑھے آدمی کا بُت تھا ، دوسرا ایک بوڑھی عورت کا بُت
تھا ۔ تین بُت اور تھے ۔ ان میں ایک نوجوان آدمی کا
تھا ، دوسرا نوجوان عورت کا اور تیسرا ایک بچے کا ۔ گھر
کے اندر اور کوئی زندہ انسان نہیں تھا :

" یہ ۔ یہ ۔ یہ کیا بھئی ؟ "

" یہی ہے بابا جی کا خاندان ۔ "

" یہ تو بُت ہیں ۔ "

" یہ لوگوں کو بُت ہی نظر آتے ہیں ، لیکن یہ بابا جی
کی آل اولاد ہیں ۔ تمام نقدی جو غلے میں ڈالی جاتی
ہے ۔ ان کے ہی کام آتی ہے ۔ یہ اس دولت کو
استعمال کرتے ہیں کھاتے ہیں ، پیتے ہیں ۔ اس وادی
کے تمام لوگ ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں ۔ "

" تو کیا وادی کے لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ یعنی وہ بھی غلے میں پیسے ڈالتے ہیں؟"

" ہاں بالکل۔"

" حیرت ہے۔ کیا اس غلے میں سے کوئی رقم نکالتا ہے؟"

" ہم نے تو آج تک کسی کو رقم نکالتے نہیں دیکھا۔ لیکن رقم یہ لوگ نکالتے رہتے ہیں۔ ورنہ غلّہ تو چند دن بعد ہی پُر ہو جاتا ہے۔ پھر اور لوگ اس میں رقم کس طرح ڈال سکتے۔ میرا مطلب ہے، بابا جی کی آل اولاد اس رقم کو کام میں لاتی ہے۔"

" حد ہو گئی۔ کیسے کیسے سیدھے لوگ اس دُنیا میں رہتے ہیں۔" اِنسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

" تو کیا آپ کے خیال میں یہ سب باتیں غلط ہیں۔" گڈریا بُرا مان گیا۔ پھر جل کر بولا:

" تو پھر آپ کی گاڑی کو کیا ہو گیا تھا اور آپ کے قلم وہاں سے یہاں۔ ڈیڑھ گھنٹے کے فاصلے پر کس طرح آ کر چپک گئے تھے؟"

" یہ باتیں ہمارے لیے بہت حیرت کا باعث ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

" اب آپ نے نوٹ غلّے میں ڈال دیے ہیں۔ پن

آپ کو مل گئے ہیں۔ جا کر گاڑی چلا کر دیکھ لیں۔ وُہ بھی اب چلنے لگے گی۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ صرف اور صرف بابا جی کی کرامت۔ اور آپ اسے کیا نام دے سکتے ہیں۔" وہ بولا۔

" ہم ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔ کسی شخص کے اختیار میں ایسی کوئی بات نہیں ہوتی۔ کہ دُوسروں کی گاڑیوں کو راستے میں روک لے۔ خاص طور پر اللہ کے نیک بندے ایسا ہرگز نہیں کرتے۔ ہاں جادُوگر قسم کے لوگ ضرور ایسا کر سکتے ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں کو کیا پڑی کہ ایسے کام کریں۔ بھینسوں کا دُودھ خشک کریں۔ راستے روکیں۔ یہ سب باتیں بالکل غلط ہیں۔ اب بات آتی ہے یہاں کی۔ ہم لوگوں کو بتائیں گے کہ کس طرح لوگوں کی گاڑیاں رکتی ہیں۔ پن کیوں جیبوں سے نِکل جاتے ہیں۔ ہم یہ باتیں لوگوں کو بتائیں گے۔ اور اس جعل سازی سے لوگوں کو نجات دلوائیں گے۔"

" بہت آئے۔ ایسے دعوے کرنے والے اور تھک ہار کر چلے گئے۔" گڈریے نے کہا۔

" کیا یہاں کرائے کی کوئی جگہ مل سکتی ہے۔ شاید ہمیں چند دن یہاں رکنا پڑے گا۔"

"ہوٹل بہت اچھے اچھے ہیں یہاں — لیکن وہ بہت
مہنگے ہیں — کرائے کا گھر ملنا یہاں بہت مشکل ہے — آبادی
پہلے ہی بہت زیادہ ہے۔"

"خیر — ہم کسی ہوٹل میں رہ لیں گے — ہمیں کسی اچھے
ہوٹل تک لے چلیں۔"

"اچھے ہوٹل تک — اس کا کرایہ تو آسمان سے باتیں
کرتا نظر آئے گا۔"

"دیکھا جائے گا۔" خان رحمان بولے۔

"اور ہماری کار کا کیا ہو گا؟"

"ہوٹل کے مُلازم جا کر لے آئیں گے۔"

"اچھا! یہ لوگ یہ کام بھی کرتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ لوگ تو میرے ساتھ پیدل آئے ہیں نا — وُہ
یہاں سے اپنی گاڑی پر جائیں گے اور آپ کی گاڑی
کو یہاں لے آئیں گے۔"

"بہت خوب! تب تو ٹھیک ہے۔"

وُہ انہیں ایک ہوٹل تک لے آیا اور ہاتھ پھیلا
کر بولا:

"صاحب میرا انعام۔"

خان رحمان نے سُو روپے کا نوٹ اسے دے دیا،

اس نوٹ کو دیکھ کر اس نے بُرا سا منہ بنایا اور نوٹ
واپس کرتے ہوئے بولا:

"ڈیڑھ گھنٹے تک آپ کو اُوپر سے نیچے لایا ہوں، اتنی
بہت سی باتیں بتائی ہیں اور اب ہوٹل تک لایا ہوں
اور اتنے بہت سے کام کے آپ صرف سُو روپے دے
رہے ہیں۔"

"اوہو اچھا — میں نے تو خیال کیا تھا کہ زیادہ دے
دیے ہیں — خیر یہ سو روپے اور لو۔" یہ کہ کر انھوں
نے ایک نوٹ اور دے دیا۔

"چلیے — اب گزارا ہو جائے گا — سچ بات تو یہ ہے
کہ اتنے کام کے لوگ مجھے پانچ سو روپے تک دے
دیتے ہیں۔"

"اچھا — کمال ہے۔" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"لیکن وُہ اور خیالات کے ہوتے ہیں — پیروں اور پیروں
کی آل اولاد سے ڈرنے والے۔"

"ٹھیک! یہ بات تم نے بہت اچھی بتائی — ہم نہ تو
تمہارے بابا جی سے ڈرتے ہیں، نہ ان بتوں سے چاہے
تم یہ بات پوری وادی میں بتا دو۔"

"مجھے بتانے کی ضرورت تھی — یہ بات تو خود بخود

سب کو معلوم ہو جائے گی۔ یہاں کی ہوا آپ کی یہ
باتیں دوسروں تک پہنچا بھی چکی ہے۔ ہوا بھی بابا جی
کے حکم کو مانتی ہے۔"

"ارے میاں جاؤ۔ کسی اور کو الّو بنانا۔ ہم ان
باتوں میں آنے والے نہیں ہیں۔"

اور وہ بُرے بُرے منہ بناتا چلا گیا۔

اب وہ ہوٹل میں داخل ہوئے۔ ہوٹل واقعی بہت
عالی شان تھا اور شہر کے ہوٹلوں کا آسانی سے مقابلہ کرتا
نظر آتا تھا۔ یونہی وہ اندر داخل ہوئے۔ چند بیرے ان کی
طرف لپکے:

"آپ کو اس ہوٹل میں جگہ نہیں ملے گی جناب۔"

"کیوں۔ کیا تمام کمرے بک ہیں؟" محمود نے منہ بنایا۔

"یہ بات نہیں۔ کمرے تو بہت خالی پڑے ہیں،
لیکن ہم آپ لوگوں کو کمرے نہیں دے سکتے۔" ایک نے کہا۔

"آخر کیوں۔ کیا آپ کے خیال میں ہم اس ہوٹل کا
کرایہ نہیں ادا کر سکیں گے؟"

"اب یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ کرایہ ادا کر سکیں گے یا
نہیں۔ بات اگر صرف کرائے کی ہوتی تو ہم آپ کو
کرایہ بتاتے۔ یہ نہ کہتے کہ آپ یہاں قیام نہیں کر

سکیں گے۔"

"تو پھر وجہ بتائیں۔"

"آپ بابا جی کے گستاخ ہیں۔ آپ نے ان کی
شان میں گستاخی کی ہے۔ یہ پوری آبادی بابا جی کے
احسانات کے تلے دبی ہوئی ہے۔ یہاں کی تمام رونقیں
بابا جی کی وجہ سے ہیں۔ سب لوگ اتنا احترام تو خدا
کا بھی نہیں کرتے، جتنا بابا جی کا کرتے ہیں۔"

"اُف توبہ۔ استغفراللہ۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"لہٰذا آپ چلتے پھرتے نظر آئیں۔ اگر ہم نے آپ کو ہوٹل
میں ٹھہرایا تو ڈر ہے۔ پورے ہوٹل پر کوئی مصیبت نہ
آ پڑے۔"

"اگر کمرہ نہ دینے کی بنیاد یہ ہے۔ تو اس صورت میں
ہم کہیں اور نہیں جائیں گے۔ ہاں! اس ہوٹل میں جگہ نہ
ہوتی تو اور بات تھی۔"

"دیکھیے۔ ہمارے حال پر رحم کریں۔ آپ لوگوں پر تو
بابا جی کا غضب نازل ہوگا ہی۔ ہم بھی آپ کے ساتھ
مارے جائیں گے۔ آپ نے سُنا ہی ہو گا۔ گیہوں کے
ساتھ گھُن بھی پس جاتا ہے۔"

"نہیں جائیں گے۔ کمرے دیں ہمیں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور کاؤنٹر پر جا کر رک گئے:

"ہمیں دو بڑے کمرے دے دیں"

"بیرے آپ کو بتا چکے ہیں۔ کمرے نہیں ملیں گے"

"اور ہمیں بھوک بھی لگی ہے۔ جلد کھانا لایا جائے"

انھوں نے جیسے سنا ہی نہیں۔

"کھانا بھی نہیں ملے گا"

"دیکھیے۔ جناب۔ ہم بہت شریف لوگ ہیں۔ توحید پرست ہونے کی ہمیں اتنی سزا نہ دیں" پروفیسر داؤد نے نرم آواز میں کہا۔

"کیا ہونے کی سزا؟" کاؤنٹر مین نے حیران ہو کر کہا۔

"توحید پرست ہونے کی" انھوں نے کہا۔

"وہ کیا ہوتا ہے؟"

"صرف اور صرف ایک اللہ کو ماننے والا۔ ہم اللہ کی صفات میں کسی اور کو شریک نہیں کرتے۔ اللہ ایک ہے۔ ہر چیز اسی کے اختیار میں ہے، اس کے سوا کسی کا اختیار نہیں۔ وہی اسی ساری کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ کوئی دوسرا اس کام میں اس کا شریک نہیں۔ فرشتے اس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں۔ یہی باتیں بتانے کے لیے اس نے اس دنیا میں رسول اور نبی پیدا

فرمائے" انھوں نے کہا۔

"ہم ان باتوں تو نہیں مانتے۔ ہم تو بس بابا جی کو مانتے ہیں۔ اور ان کی آل اولاد کو"

"تب تو تم لوگ مکمل طور پر گمراہ ہو" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

"اسی لیے آپ لوگوں کو یہاں کمرے نہیں ملیں گے"

"کمرے تو خیر ہمیں ملیں گے" خان رحمان بولے۔

"اگر آپ لوگ اس ہوٹل میں ٹھہرے۔ تو ہمارے یہ سب گاہک یہاں سے چلے جائیں گے۔ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے لوگ ہوٹل کو چھوڑ جائیں گے۔ آپ کی وجہ سے ہمارا کتنا نقصان ہو گا۔ یہ سوچا ہے آپ نے" کاؤنٹر کلرک نے کہا۔

"جتنا نقصان ہو گا۔ ہم بابا جی کے غلے سے ادا کریں گے۔ انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"تم اور ہمیں کمرے نہ دو۔ آؤ خان رحمان"

وہ اندر کی طرف چل پڑے۔

"ارے ارے۔ یہ کیا۔ کیا تم لوگ زبردستی اس ہوٹل میں ٹھہرو گے"

"ہاں ! اگر تم کمرے نہیں دو گے تو یہی کریں گے۔"

"بیرا لوگ — پکڑ لو انھیں اور نکال دو باہر — اس پوری وادی میں انھیں کہیں جگہ نہیں ملے گی — یہ تو بات کرتے ہیں یہاں کی۔"

اس کی بات سُن کر ہوٹل میں بیٹھے ہوئے گاہکوں نے ایک زور دار قہقہہ لگایا — اس دوران بیرے ان کے گرد جمع ہونے لگے — انھوں نے کوئی پروا نہ کی۔ جب سب بیرے جمع ہوگئے تو چند نے انھیں پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھائے —

انسپکٹر جمشید نے جیب سے پستول نکال کر ایک فائر کر دیا — ہال میں چیخیں گونج اٹھیں اور بیرے بھیڑ بکریوں کی طرح دوڑ پڑے — ان کے آس پاس ایک بھی بیرا نہ رہ گیا — ایسے میں ایک بھاری بھر کم آواز گونجی :

"یہ کیا ہو رہا ہے ؟"

انھوں نے ایک گیند نما آدمی کو آتے دیکھا — اس قدر موٹے آدمی انھوں نے بہت کم دیکھے ہوں گے — یعنی اس کی موٹائی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ لمبائی غائب ہو گئی تھی — اور اب وُہ گول مٹول نظر آتا تھا —

"آپ کی تعریف ؟"

"میں ہوں اس ہوٹل کا مالک تیکھے شاہ۔"

"واہ — نام تو عین جسم کے مطابق رکھا ہے۔" فارُوق نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ نام میں نے نہیں — میرا مطلب ہے ، میرے ماں باپ نے نہیں — بابا جی نے رکھا ہے۔"

"پھر وہی بابا جی — شاید اس وادی کے لوگ کھاتے پیتے بھی بابا جی کو ہیں۔"

"اے خبردار — ہمارے بابا جی کھانے پینے کی چیز نہیں ہیں — ہاں۔" اس نے جھلّا کر کہا۔

"سوال یہ ہے کہ ہمیں اس ہوٹل میں کمرے کیوں نہیں مل سکتے ؟"

"اس لیے کہ آپ لوگ بابا جی کے گستاخ ہیں۔"

"لیکن ہم یہاں ضرور ٹھہریں گے — آپ سے جو ہو سکتا ہے ، کر لیں۔"

"پستول سے فائر کر کے آپ غیر قانونی کام کر چکے ہیں — لہٰذا میں پولیس کو فون کروں گا۔" یہ کہہ کر وُہ فون کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ہوٹل کے باہر پولیس کی گاڑی رکنے کی آواز سُنائی دی —

"لیجیے — وہ تو خود ہی آ گئے۔"

اور پھر پولیس والے گاڑی سے اُتر کر تیر کی طرح
ان کی طرف آئے۔ وہ اطمینان سے کھڑے انھیں
نزدیک آتے دیکھتے رہے۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں
تھیں، چہروں پر مسکراہٹیں۔ اور یُوں لگتا تھا، جیسے کوئی
بہت بڑا میدان مارنے آئے ہوں۔

وادی میں

"ہیلو سر تیکھے شاہ۔ کیا حال ہے۔ ہم نے سُنا ہے۔
کچھ لوگ تمھارے ہوٹل میں گڑبڑ کر رہے ہیں۔" پولیس انسپکٹر
نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہ رہے وُہ۔ انھوں نے یہاں فائر بھی کیا ہے،
وُہ رہا فائر کا نشان۔ یہ یہاں کمرے لینا چاہتے ہیں۔
لیکن وادی میں جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پھیل چکی ہے
کہ یہ لوگ باباجی کے گستاخ ہیں۔"

"اگر انھوں نے یہاں ہنگامہ نہ کیا ہوتا۔ فائر نہ کیا
ہوتا اور صرف باباجی کی گستاخی کی ہوتی، انھیں تو پھر
بھی گرفتار کیا جاتا۔ اب تو یہ اور بڑے مجرم بن گئے
ہیں۔ باباجی کی گستاخی تو اس وادی میں چل ہی
نہیں سکتی۔ لگا دو ان کے ہتھکڑیاں۔ مرمت کا کام
ہم پولیس اسٹیشن میں کریں گے۔ آپ فکر نہ کریں تیکھے شاہ،

ان کی وہ دھلائی کریں گے کہ یہ آئندہ زندگی میں اس وادی
کا رُخ نہیں کریں گے۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات — اس خوشی میں آپ
کا اور آپ کے تمام کانسٹیبلوں کا رات کا کھانا ہمارے ہاں۔"

"واہ! مزا آگیا — اس صورت میں تو یہاں روز
ایسے گستاخ آنے چاہییں، تاکہ ہم روز یہاں آئیں اور
روز ہمیں رات کے کھانے کی دعوت اڑانے کا موقع
ملے۔" پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"آپ روز ہی آجایا کریں — یہاں کون سا الگ سے
کچھ پکوانا پڑے گا۔"

"ارے — تم ہماری باتیں سُن رہے ہو — چلو لگا
دو ہتھکڑیاں۔"

کانسٹیبل ان کی طرف بڑھے، انسپکٹر جمشید نے پُرسکون
اور بارُعب آواز میں کہا:

"لیکن جناب! ہمیں کس جرم میں گرفتار کر رہے ہیں،
پہلے یہ تو بتائیں۔"

"یہاں فائر کیا — جھگڑا کیا۔"

"لیکن ان لوگوں نے بھی تو ہم سب پر حملہ کیا
تھا — تب پھر انھیں بھی گرفتار کریں — ہم نے تو انھیں

بھگانے کے لیے صرف ہوائی فائر کیا تھا — انھوں نے
تو سچ مچ حملہ کرنا چاہا تھا — اگر میں فائر نہ کرتا تو یہ
تو کر دیتے ہمیں زخمی۔"

"ہمارے ہاں قانون نہیں چلتا — بابا جی کا حکم چلتا
ہے۔" اس نے کہا۔

"اور آپ کے بابا جی نے کہا ہے کہ بے گناہوں
کو پکڑ کر قید میں ڈال دو۔"

"نہیں — انھوں نے کہا ہے — ان کے گستاخوں کو
پکڑ کر قید کر دو۔"

"میں نہیں مانتا — دکھائیے — بابا جی نے یہ کہاں
کہا ہے — کہاں لکھا ہے؟"

"ان کے ایسے بہت سے حُکم زبانی وادی میں گونجتے
سُنائی دیں گے۔"

"یا تو آپ قانون سے ثابت کریں کہ ہماری گرفتاری
کا جواز آپ کے پاس ہے — ورنہ ہم گرفتاری نہیں
دیں گے۔"

"کیا کہا — گرفتاری نہیں دیں گے۔" انسپکٹر نے حیران
ہو کر کہا۔

"ہاں! یہی کہا ہے — نہیں سُنا تو دوبارہ کان کھول

کر سن لو - ہم گرفتاری نہیں دیں گے۔"
"تیکھے شاہ - یہ ہم کیا سن رہے ہیں - یہ شخص
کیا کہ رہا ہے - اب تو اسے کچھ زیادہ ہی سبق سکھانا
پڑے گا - لگاؤ بھئی ہتھکڑیاں - منہ کیا دیکھ رہے ہو۔"
انسپکٹر نے کہا۔

کانسٹیبل پھر آگے بڑھے، انسپکٹر جمشید نے یہ دیکھ کر کہا:
"اب نتیجے کے ذمے دار آپ لوگ خود ہوں گے،
ہم قانون کے محافظوں پر ہاتھ اٹھانا پسند نہیں کرتے۔
لیکن قانون کے جو محافظ خود قانون توڑیں، ان سے ہم نبٹ
بھی لیا کرتے ہیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید حرکت میں آ
گئے - اور انھوں نے ہاتھ چھوڑ دیے - تین کانسٹیبل
تڑ تڑ فرش پر گرتے نظر آئے -

"یہ ہے بڑے پیر کے مرید کی کرامت۔" انسپکٹر جمشید
نے مسکرا کر کہا۔

"یہ - یہ - یہ کیا ہوا - یہ کیسے گر گئے۔" انسپکٹر جیسے
خواب میں بولا، پھر چلایا:
"پکڑو - سب مل کر پکڑو۔"
اب تمام کانسٹیبل آگے بڑھے - وہ سب بھی حرکت

میں آ گئے - اور آگے بڑھنے والے کانسٹیبل ڈھیر نظر آئے:
"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں - انسپکٹر جلو شاہ۔"
"بڑے پیر کے مرید کی کرامت۔"
"کیا مطلب؟" انسپکٹر اور تیکھے شاہ ایک ساتھ بولے۔
"تم اپنے بابا جی کے مرید ہو - تم میں ان کی کوئی
کرامت تو ہونی چاہیے - ہم میں تو اپنے پیر صاحب
کی وجہ سے کرامت ہی کرامت ہے - دیکھ لو - تمھارے
کانسٹیبل اب لیٹے نظر آ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے
مسکرا کر کہا۔

"یہ کوئی فراڈ شخص ہے - انسپکٹر اب تم آگے بڑھو
اور اسے مزا چکھا دو۔" تیکھے شاہ نے کہا۔

"ہاں ضرور - لیکن تم میرے ساتھ اپنے پیروں کو
بھی تو بھیجو نا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں ضرور - کیوں نہیں - چلو - انسپکٹر صاحب کی مدد
کرو۔" تیکھے شاہ بولا۔

پیرے ڈرے ڈرے آگے بڑھے -

"اب میرے پیر صاحب کا جلال مجھ میں آ رہا ہے -
میں ان لوگوں کو چٹکی بجاتے الٹ دوں گا۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

خان رحمان اور پروفیسر داؤد ہنس پڑے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی ہنسی نہ روک سکے۔ انسپکٹر جمشید عجیب رنگ میں نظر آ رہے تھے۔ آخر وہ سب لوگ ان کی طرف بڑھے۔ ایک بار پھر وہ حرکت میں آئے۔ اور بیروں میں کئی چیختے چلاتے گرتے نظر آئے۔ انسپکٹر جلو شاہ بھی گرا تھا۔ صرف تیکھے شاہ رہ گیا۔ باقی بیرے پیچھے ہٹ گئے اور ہوٹل کی دیواروں سے جا لگے۔ ان سب کی آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا۔

"اب کیا کہتے ہو؟"

"کک۔ کمرے۔ حاضر ہیں۔ بلکہ سارا ہوٹل حاضر ہے، جس کمرے میں چاہیں، رہیے۔ جس کمرے میں چاہیں، غسل کریں۔ جس کمرے میں چاہیں، ناشتا کریں، جس کمرے میں چاہیں، کھانا کھائیں۔ جس کمرے میں چاہیں ..."

"بس بس۔ ہم اتنے بہت سے چاہیں کہاں سے لائیں گے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"اب اس وادی میں تم لوگوں کے باباجی کا نہیں۔ میرے پیر صاحب کا حکم چلے گا۔ سمجھے تم۔ اگر تمہارے باباجی میں کوئی دم خم ہے ـــــ تو ہمیں کوئی نقصان پہنچا کر دکھائے۔ ورنہ اس وادی کے لوگ باباجی کا نام

لینا چھوڑ دیں۔" وہ سرخ ہو گئے۔

انھیں اس قدر سرخ انھوں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ ایسے میں وہ بولے:

"میرے چہرے پر جلال نظر آ رہا ہے یا نہیں؟" یہ الفاظ انھوں نے ان سے نہیں، ہوٹل میں کھڑے لوگوں سے کہے تھے۔

"آ۔ آ۔ آ رہا ہے۔" وہ سب ہکلائے۔

"کبھی تم لوگوں نے اس قسم کا جلال کسی کے چہرے پر دیکھا؟" وہ بولے:

"نن۔ نہیں۔"

"تو پھر بھول جاؤ۔ باباجی کو۔ بلکہ جھوٹے باباجی کو۔ اور مان لو میرے پیر صاحب کو۔ اور میرے پیر صاحب کے خدا کو۔ اب جس کا جی چاہے۔ اوپر آتا جائے اور میرا مرید بنتا جائے۔" یہ کہ کر وہ اوپر کی طرف چل پڑے۔

جو دو بڑے کمرے خالی نظر آئے، انھوں نے ان پر قبضہ کر لیا:

"یہ سب کیا ہے جمشید۔ تم نے تو اچانک رنگ بدل لیا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اور کیا کرتا۔ ویسے تو یہ لوگ خوف زدہ ہوتے
نا۔ میں نے انھیں انھی کے ہتھیار سے مارنے کا پروگرام
بنایا ہے۔"

"لیکن اس طرح تو وادی کے پورے لوگ ہم پر
ٹوٹ پڑیں گے۔"

"کوئی پروا نہیں۔"

"اصل مسئلہ یہ ہے کہ آخر سڑک پر گاڑیاں کیوں
رک جاتی ہیں۔ ہماری جیبوں میں سے قلم نکل کر
مزار کی دیوار سے کیوں چپک گئے، جب کہ پیدل ڈیڑھ
گھنٹے کا فاصلہ ہے درمیان میں۔"

"ہم ان سب باتوں پر غور کریں گے اور اس وادی
کے لوگوں کو اس جعل سازی سے نکالیں گے۔ یہ لوگ
اصل دین کو بالکل بھول چکے ہیں۔ صرف ایک فرضی
آدمی کو اپنا سب کچھ مان بیٹھے ہیں۔ یہاں تک کہ
اللہ تعالیٰ کو بھی بھلا بیٹھے ہیں۔ اب یہ ہمارا فرض
ہو گیا ہے۔ ان لوگوں کو سیدھا راستا دکھانا۔" انھوں
نے جلدی جلدی کہا۔

ابھی وہ اپنا سامان رکھ رہے تھے کہ بے شمار بھاری
قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

"دیکھا۔ اب یہ لوگ میری مریدی اختیار کرنے آ
رہے ہیں۔"

"تو کیا آپ پیر بننے جا رہے ہیں؟"

"نہیں۔ واقعی نہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے۔ ان
لوگوں کو سمجھانے کے لیے۔ آخر اس میں کیا حرج ہے؟"
انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تب پھر ہم بھی آپ کے رنگ میں رنگ جاتے
ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا مطلب؟"

"یعنی آپ کے چیلے بن جاتے ہیں۔"

وہ مسکرا دیے۔

اسی وقت لوگ ان کے کمرے کے سامنے آ گئے۔
انھوں نے دیکھا۔ بے شمار لوگ کلاشن کوفیں لیے انھیں
کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔

"یہ کیا ہے بھئی؟" انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں
کہا۔ اگرچہ خان رحمان اور پروفیسر داؤد یک دم پریشان
ہو گئے تھے۔

"بابا جی کے گستاخ اس وادی میں زندہ نہیں رہ سکتے۔"

"پہلے یہ تو ثابت کرو۔ کہ وہاں کوئی بابا جی دفن

بھی ہے۔"

"کیا مطلب؟" ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا، وہ پہلوان نما آدمی تھا۔ اور اس کے ڈیل ڈول کو دیکھ کر خوف آتا تھا۔

"آپ کی تعریف؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"پہلوان نارو۔ ساری وادی تھر تھر کانپتی ہے مجھ سے۔ بابا جی کے بعد یہاں صرف میرا حکم چلتا ہے۔"

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"لیکن تم نے کیا کہا تھا؟"

"پہلے آپ لوگ یہ ثابت تو کریں۔ کہ اس قبر میں کوئی بابا جی دفن بھی ہیں یا نہیں۔ میرا دعویٰ ہے۔ وہاں کوئی بھی دفن نہیں ہے۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟"

"وادی کا کوئی ایسا آدمی تلاش کرلائیں۔۔جو بابا جی کی موت کے وقت موجود رہا ہو۔"

"ہمیں کیا پڑی ہے۔ ایسا کرنے کی۔"

"سچ اور جھوٹ کا پتا چلانے کے لیے۔ میں آپ لوگوں کو سچے پیر کی مریدی میں دینے کے لیے آیا ہوں۔ میں اس وادی کا نجات دہندہ ہوں۔"

"پتا نہیں۔ تم کیا کر رہے ہو؟"

"وہی۔ جو تم سن رہے ہو۔ کلاشن کوفیں تو تم بعد میں بھی چلا سکتے ہو۔ پہلے سچے اور جھوٹے پیر میں تو تمیز کر لو۔ میرا دعویٰ ہے۔ اس قبر میں کوئی بابا جی دفن نہیں ہیں۔ آج تک کسی نے بھی بابا جی کو دیکھا نہیں، صرف نام سنتے چلے آ رہے ہیں۔ آخر کسی زمانے میں تو بابا جی زندہ رہے ہوں گے۔ اور اس لحاظ سے ان کی لاش قبر میں ہونی چاہیے۔ ہونی چاہیے یا نہیں۔ کیونکہ اللہ کے ولیوں کے جسموں کو آپ لوگوں کے عقیدے کے مطابق مٹی نہیں کھاتی۔ ان کے جسم بالکل درست حالت میں رہتے ہیں۔ یہ بات ہے یا نہیں؟"

"ہاں! یہ تو ہے۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تو پھر وادی کے لوگوں کو یا تو یہ معلوم ہو جائے کہ وہاں بابا جی موجود ہیں، تاکہ ان کا عقیدہ مزید پختہ ہو جائے۔ ورنہ یہ پتا چل جائے کہ وہاں کوئی نہیں ہے اور یہ لوگ سچے پیر کے مرید بن جائیں۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔ آخر یہ تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے۔" کسی نے کہا۔

"اس طرح بابا جی کا دیدار بھی ہو جائے گا۔"

"بابا جی کا دیدار۔" وہ سب ایک ساتھ بولے۔

"ہاں! بابا جی کا دیدار۔"

جلد ہی ساری وادی میں 'بابا جی کا دیدار'، 'بابا جی کا دیدار' کے الفاظ گونج رہے تھے۔

اور پھر لوگوں کا سیلاب مزار کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اعلان

جونہی مجمع مزار کے نزدیک پہنچا۔ کلاشن کوفوں سے ہوائی فائرنگ کی آوازیں گونج اٹھیں، پھر فائرنگ بند ہوتے ہی کسی نے گرج دار آواز میں کہا:

"خبردار! کوئی آگے نہیں بڑھے گا۔ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ پاگل تو نہیں ہو گئے۔ جن بابا جی کا نام جپتے تم نہیں تھکتے، آج انھیں کی قبر اکھاڑنے چلے ہو۔ دماغ چل گیا ہے کیا۔ میں ہرگز ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ بابا جی کی یہ توہین ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ خون کی ندیاں بہا دوں گا، مگر قبر نہیں کھولنے دوں گا۔"

گرج دار آواز پورے مجمعے نے بخوبی سنی۔ پھر کوئی مزار سے باہر نکلا اور ایک اونچے چبوترے پر چڑھ گیا، اس کے ساتھ دس اور آدمی اوپر چڑھ گئے۔ ان سب

کے پاس کلاشن کوفیں تھیں - حد درجے خوفناک نظر آ رہے
تھے وُہ سب -

" یہ کون صاحب ہیں ؟ انسپکٹر جمشید نے بھی بلند آواز
میں پُوچھا -

" یہ اس وادی کے دادا ہیں " پہلوان نارو نے منہ بنایا -

" لیکن تھوڑی دیر پہلے تو آپ نے کہا تھا - اس پوری
وادی میں آپ کا حکم چلتا ہے "

" ہاں ! چلتا رہا ہے - لیکن شاید - اب میرے یہ ساتھی
مجھ سے بغاوت پر اُتر آئے ہیں - یہ میرے ساتھی ہیں -
آپ ایک طرف ہو جائیں - پہلے میں اس سے بات کرتا
ہوں " یہ کہ کر پہلوان نارو آگے بڑھ آیا -

" یہ کیا کر رہے ہو - خادم بھائی - دماغ تو نہیں چل
گیا - پہلوان نارو کو نہیں جانتے ؟"

" اچھی طرح جانتا ہوں استاد - لیکن جب تم نے
بابا جی کی توہین کرنے کی ٹھان لی - تو تم میرے استاد
نہیں رہے - اب یہاں تمہارا نہیں ، میرا حکم چلے گا "

" بھئی - میں تو ان لوگوں کو جھوٹا ثابت کرنے کے
لیے یہ سب کچھ کر رہا ہوں - پہلے ان کی باتیں سُن لو -
پھر سوچنا کہ کیا کرنا چاہیے تمہیں "

" میں ان کی باتیں سُن چکا ہوں - اور یہ برداشت نہیں
کر سکتا - بستی کے لوگوں کو یہ شخص بے وقوف بنا رہا ہے "

" کیا مطلب ؟"

" یہ ہم سب کو بے وقوف بنا رہا ہے - ذرا اس کے
پیر صاحب کا نام پوچھو "

" کیوں جناب - آپ کے پیر صاحب کا نام کیا ہے ؟"

" بتانے کے لیے تیار ہوں ، لیکن سُن لینے کے بعد
آپ کے چیلے کا کیا فیصلہ ہو گا - پہلے اس سے یہ
پوچھیں " انسپکٹر جمشید مسکرائے -

" کیوں بھئی - کیا فیصلہ ہے تمہارا ؟"

" مزار تو میں پھر بھی نہیں کھولنے دوں گا "

" تب پھر میں پیر کا نام بتا کر کیا کروں گا -
جب لڑنا ہی ٹھہرا "

" ارے ! تو لڑو گے ہم سب سے - دماغ تو نہیں
چل گیا "

" ہاں چل گیا ہے - اب یہاں خون کی ندیاں بہیں گی "

" تو پھر ندیاں کیوں ، دریا بہا لیتے ہیں " پہلوان نارو
نے جھلّا کر کہا -

" میں تیار ہوں "

دونوں طرف سے کلاشن کوفیں تن گئیں۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگے:

"نہیں۔ یہاں نہ خون کی ندیاں بہیں گی نہ خون کے دریا۔" ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز گونجی۔

"تو پھر فیصلہ کیسے ہو گا۔ کہ اس مزار میں کوئی بزرگ دفن ہیں یا نہیں۔" پہلوان نادو ان کی طرف گھوما۔

"قبر کھودے بغیر بھی میں آپ سب کو دکھا سکتا ہوں کہ قبر میں کیا ہے۔"

"کیا مطلب۔ کیسے دکھا سکتے ہیں آپ؟"

"یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ میرے لیے بہت آسان ہے۔"

"تو پھر دکھا دیں۔"

"آپ سب لوگ ایک طرف ہو جائیں۔ مجھے آگے آنے دیں۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ کا مارے حیرت کے برا حال تھا۔ انھیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور کس طرح۔

"آ جائیں۔ لیکن اگر آپ ثابت نہ کر سکے تو پھر آپ کی زندگی ختم۔"

"وہ ایک دن ختم ہو کر رہے گی۔"

انھوں نے کہا اور مجمعے میں سے گزر کر آگے بڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ مزار کے چبوترے پر پہنچ گئے۔

اب وہ سب کو نظر آ رہے تھے۔

"آپ سب لوگ آنکھیں بند کر لیں۔ ہاں کر لیں بند۔"

"یہ۔ یہ ضرور کوئی دھوکا کرنا چاہتا ہے۔" کسی نے چیخ کر کہا:

"آپ کے خیال میں میں کیا دھوکا کرنا چاہتا ہوں، میری تلاشی لے لی جائے۔ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔" انھوں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

ان کی تلاشی لی گئی۔

"یہ ٹھیک ہے۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔"

"اتنے بڑے مجمعے میں۔ بغیر ہتھیار کے آخر میں کیا کروں گا۔ آپ خود سوچیں۔"

"خیر۔ تم کرو۔ کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"آپ لوگ آنکھیں بند کر لیں۔ سب کے سب۔ یہاں تک کہ میرے ساتھی بھی۔ میں آج آپ لوگوں کو دکھاؤں گا۔ اس قبر میں کیا ہے۔"

"ایسے تو آج تک کوئی نہیں دکھا سکا۔"

"ایک ہستی ایسی ہے۔ جو چاہے تو کیا نہیں دکھا سکتی،

مطلب یہ کہ سب کچھ دکھا سکتی ہے۔ آپ ذرا آنکھیں بند کر لیں اور دل کی آنکھیں کھول لیں۔ آج میں آپ کو دل کی آنکھوں سے دکھاؤں گا۔ دل کی آنکھیں سُنا ہے کبھی؟"

"ہاں! سُنا ہے۔ اب باتیں کم اور کام زیادہ۔"

"تب پھر کسی کی آنکھیں کُھلی نہ رہ جائیں۔"

"نہیں رہیں گی۔ لیکن کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو۔ کہ اگر کسی کی آنکھیں کُھلی رہ گئیں تو ہم نہیں دیکھ سکیں گے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ جس نے آنکھیں کُھلی رکھیں۔ صرف وہ کچھ نہیں دیکھ سکے گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

"ایک بات اور۔ یہ کہ آپ جانتے ہیں۔ اچھے لوگوں کی قبروں کو باغ بنا دیا جاتا ہے۔ اور بُرے لوگوں کی قبروں کو آگ۔ یہ تو آپ جانتے ہیں نا۔"

"ہاں بالکل۔"

"تو پھر اگر آپ کو قبر کے اندر باغ نظر آئے۔ خیال کر لینا۔ کہ اندر کوئی بزرگ ہیں۔ اگر آگ نظر آئے تو خیال کر لینا۔ کوئی گناہ گار آدمی دفن کیا گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تو کیا ہمیں صرف آگ یا باغ دکھائی دے گا۔ بزرگ دکھائی نہیں دیں گے۔"

"اُمید ہے کہ جو بھی اس میں دفن ہے۔ وہ بھی نظر آئے گا۔ بس سب آنکھیں بند کر لیں۔"

انھوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ صرف محمود، فاروق، فرزانہ، خان رحمان اور پروفیسر داؤد نے آنکھیں بند نہ کیں۔ وہ جس جگہ کھڑے تھے۔ اس طرف انھوں نے دیکھا۔ مسکرائے اور اشارہ کیا کہ وہ بھی آنکھیں بند کر لیں۔

اب انھوں نے بھی آنکھیں بند کر لیں، پھر انسپکٹر جمشید کے الفاظ ان سب کے کانوں میں گونجنے لگے:

"آپ سب لوگ آنکھیں بند کر چکے ہیں۔ ہاں میں جانتا ہوں، کسی ایک نے بھی آنکھیں کُھلی نہیں رکھیں۔ آپ لوگوں کو یا تو آگ دکھائی دے گی۔ یا باغ۔ جو بھی نظر آئے۔ اگر آپ نے سچ سچ نہ بتایا تو آپ جل بُھن جائیں گے۔ آپ کے جسموں کو بھی آگ لگ جائے گی۔ اس لیے سچ بتانا ہو گا۔ صرف سچ بتانے والے زندہ رہیں گے۔ کیا سمجھے آپ لوگ۔ ارے! آپ کو تو نیند آنے لگی۔"

ایسے میں ایک بہت بڑا دھماکا ہوا۔ میدان میں کھڑے لوگ ہل کر رہ گئے۔ پھر کسی نے چلا کر کہا:

"خبردار — سب لوگ آنکھیں کھول دو — یہ جادوگر ہے، تم پر جادو کر رہا ہے — اس کے جادو میں نہ آؤ — یہ تمہارے دلوں سے باباجی کی محبت نکال دینا چاہتا ہے — فوراً آنکھیں کھول دو — ورنہ اس کے جادو کی لپیٹ میں تم لوگ آئے کہ آئے۔"

لوگوں نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں — انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر آواز کی سمت میں دیکھا — وہاں سفید بالوں والا ایک بوڑھا کھڑا تھا — لیکن اس کی صحت زبردست تھی، بالکل سُرخ و سفید نظر آ رہا تھا —

"اوہ — باباجی کے خلیفہ آ گئے — سب تعظیماً جھک جاؤ، ان کے آگے۔"

وہ سب کے سب رکوع کے انداز میں جھک گئے — صرف انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی رہ گئے —

"دیکھا آپ نے — یہ اسی طرح کھڑے ہیں — میری تعظیم کے لیے جھکے نہیں۔" خلیفہ نے کہا۔

"اور ہم کیوں جھکیں — ہم صرف اور صرف ایک ہستی کے آگے جھکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"تم باباجی کے خلیفہ کے آگے نہیں جھکے تو اور کس کے آگے جھکو گے؟"

"جس کے آگے جھکنے کا حکم ہے — ہم مسلمان ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے —

"مسلمان تو ہم بھی ہیں۔"

"نام کے — ویسے تم مسلمان نہیں ہو — مسلمان تو صرف اپنے اللہ کے آگے جھکتا ہے — ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی کبھی اپنے نبی کے آگے نہیں جھکے، نہ انھوں نے جھکنے کی اجازت دی — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی تعلیم دی — یہ کہ صرف اور صرف ایک اللہ کے آگے جھکو — اور کسی کے آگے نہیں۔"

"یہ باتیں تو اب پرانی ہو گئیں — جن کے آگے ہم جھکتے ہیں — وہ تو دراصل اللہ کے پیارے ہیں — اب اللہ نے اپنے اختیارات انھیں دے دیے ہیں۔"

"اللہ کی کتاب میں ایسی کوئی بات نہیں لکھی — اور نہ دین اسلام قیامت تک پرانا ہو گا — میں ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر سکتا ہوں — صرف مجھے یہ قبر کھودوانے دیں — پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔"

"ہم باباجی کی بے حرمتی نہیں کر سکتے — ایسا کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے — اب تم یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ — ورنہ اگر میں نے اشارہ کر دیا تو یہ

سب لوگ تمہاری تکہ بوٹی کر دیں گے۔"

"میں جانتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا جانتے ہو تم؟" اس نے جھلا کر کہا۔

"یہ کہ تم ہماری تکہ بوٹی نہیں کر سکتے۔ ویسے ہم جا رہے ہیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید چبوترے سے اُتر کر اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھنے لگے۔

"دیکھا۔ جھوٹا تھا نا۔ اس لیے بھاگ نکلا ہے۔" خلیفہ نے کہا۔

انسپکٹر جمشید کو ایک جھٹکا سا لگا۔ ان کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا۔ پھر انھوں نے بلند آواز میں کہا:

"ہم جھوٹے نہیں ہیں۔ اپنے آپ کو سچا ثابت کر سکتے ہیں۔ آپ ہماری شرط کیوں نہیں مان لیتے۔ چلیے میں ایک اور شرط پیش کرتا ہوں۔"

"ضرور ضرور۔ کیوں نہیں۔"

"آگ کا ایک الاؤ روشن کیا جائے۔ میں اور آپ اس آگ میں سے گزریں گے۔ ہم میں سے جو سچا ہو گا۔ وُہ آگ میں سے گزر کر دُوسری نکل آئے گا۔ جو جھوٹا ہو گا۔ وُہ جل کر راکھ ہو جائے گا۔ آپ اپنے بابا جی کو مدد کے لیے پکاریں، میں اپنے اللہ کو۔ اگر

تمام اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں تو جیت ہماری ہو گی۔ اور اگر اس نے اپنے اختیارات بابا جی کو سونپ دیے ہیں تو جیت آپ کی ہو گی۔ میرا خیال ہے، آپ لوگ سچے ہیں تو الاؤ میں سے گزر جانے میں کوئی بُزدلی نہیں دکھائیں گے۔"

"مجھے ایسی کوئی شرط ماننے کی ضرورت نہیں۔ ہم تو پہلے ہی آزمائے ہوئے ہیں۔ صرف تم آگ کے الاؤ میں سے گزر کر دکھاؤ۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ذرا اپنے آدمیوں کے چہروں کی طرف دیکھیے۔ ان کے تاثرات کیا ہیں۔ یہ کیا کہتے ہیں۔ یہ کیا چاہتے ہیں۔ کیوں وادی کے لوگو۔ میری تجویز آپ لوگوں کو پسند ہے یا نہیں؟"

"بالکل پسند ہے۔ یہ تجربہ ہونا ہی چاہیے۔ ہم بابا جی کے گستاخ کو جلتے ہوئے دیکھنا پسند کریں گے۔"

"تم پھر اپنے خلیفہ سے کہیں۔ آگ سے گزرنے کا چیلنج قبول کریں۔"

"ٹھیک ہے۔ خلیفہ جی کو آگ سے گزرنا پڑے گا۔"

"میرا خیال ہے۔ تین دن بعد یہ مقابلہ دکھا جائے، تین دن تک یہ لوگ وادی میں رہ سکتے ہیں۔ کوئی

گھرانہ انھیں گھر میں پناہ دینا چاہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"چلیے ٹھیک ہے۔" لوگوں نے بلند آواز میں کہا۔

"خلیفہ جی" کئی آدمیوں نے نعرہ لگایا۔

"زندہ باد۔"

اور مجمع چھٹنے لگا — یہاں تک کہ میدان میں بہت تھوڑے آدمی رہ گئے — وہ ان کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے —

"اب آپ لوگ کہاں جائیں گے؟" ان میں سے ایک نے ہمدردانہ انداز میں پوچھا۔

"یہی ہم سوچ رہے ہیں۔"

"ہماری مانیں — آپ رونو دادا کے پاس چلے جائیں۔"

"رونو دادا — یہ کون صاحب ہیں؟"

"اس وادی کے لوگوں سے بیزار — ان کے خیالات بھی آپ جیسے ہی ہیں — لوگ تو انھیں مار ڈالتے کب کا — لیکن خلیفہ جی نے انھیں قسم دے رکھی ہے — کہ انھیں ہاتھ بھی نہ لگایا جائے — ایک دن وہ بہت بڑی موت خود مریں گے اور خلیفہ جی تمام لوگوں کو ان کی بدترین موت دکھائیں گے — ان کی بدترین موت دیکھنے

کی خواہش میں لوگ انھیں کچھ بھی نہیں کہتے۔"

"تو کیا — وہ وادی کے لوگوں سے بالکل الگ رہتے ہیں — ان سے ملتے جلتے بھی نہیں۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"وہ کہاں رہتے ہیں — ہمیں ان کے گھر تک لے چلیں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔" اس نے کہا اور ان کے آگے آگے چلنے لگا — آبادی سے کچھ دور ایک اونچے سے ٹیلے پر ایک خوبصورت سا گھر تھا — بلکہ کافی بڑا بھی — اس گھر کو دیکھ کر انھیں بہت حیرت ہوئی — اور جب دروازہ کھلا تو سفید ڈاڑھی والا ایک بوڑھا انھیں دکھائی دیا — اس نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا —

"آپ نے شاید ان کے بارے میں اب تک سن لیا ہوگا — آپ کی خادمہ نے یا آپ کے بچوں نے کچھ نہ کچھ بتا ہی دیا ہوگا۔"

"اچھا اچھا — یہ وہ لوگ ہیں۔"

"ہاں رونو دادا — یہ لوگ اب تین دن یہاں ٹھہریں گے، تین دن بعد ان کا خلیفہ جی سے مقابلہ ہوگا — یہ دونوں آگ میں سے گزریں گے — جو سچا ہوگا — آگ اس کا کچھ نہیں بگاڑے گی — اور جو جھوٹا ہوگا،

جل کر راکھ ہو جائے گا۔"

"بہت خوب ۔ مقابلہ کس بات پر ہو گا؟" رونو دادا
نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہم یہ کہتے ہیں ۔ کائنات کا مالک ایک اللہ ہے۔
تمام اختیار اس کا ہے ۔ جب کہ یہاں کے لوگ کہتے ہیں ۔
اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات خلیفہ جی کو سونپ دیے ہیں،
بس اسی بات پر مقابلہ ہو گا۔" انھوں نے بتایا۔

"تب یہ مقابلہ بہت دلچسپ ہو گا ۔ اور میں بھی
دیکھوں گا ۔ کیوں میرے خیالات بھی انھی جیسے ہیں ۔ اور
اسی لیے وادی کے لوگ مجھے پسند نہیں کرتے ۔ ہاں اتنا ہے،
میں انھیں ٹوکتا نہیں ۔ میں نے انھیں ان کے حال پر چھوڑ
دیا ہے۔"

"لیکن ۔ ان کے حال پر انھیں چھوڑ دینا مسلمانی نہیں،
اسلام یہ کہتا ہے کہ ایسے لوگوں کو دین کی تبلیغ کی جائے،
ورنہ آپ بھی گناہ گار ہوں گے۔"

"ہوں ، لیکن یہ لوگ اب اصلاح کے قابل نہیں رہے۔"

"رہے یا نہیں رہے ۔ یہ سوچنا ہمارا کام نہیں ۔ نہ
ہم یہ بات دعوے سے کہہ سکتے ہیں ۔ کیونکہ کب کس کو
ایمان نصیب ہو جائے ۔ یہ اللہ کو خبر ہے ۔ ہمیں نہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں اور میں ان شاء اللہ آج کے بعد
یہ کوشش کروں گا ۔ آپ میرے گھر میں رہ سکتے ہیں۔
تین دن کے لیے آپ میرے مہمان ہیں اور آپ بالکل درست
جگہ پر آئے ہیں۔"

"شکریہ رونو دادا ۔ لیکن یہ آپ نے نام کیسا رکھا ہے،
ایسے نام تو بدمعاش لوگ رکھتے ہیں۔"

"بس نام تو کچھ اور تھا ۔ پہلے میں یہاں رونو مشہور
ہوا ، پھر میرے بڑھاپے کو دیکھ کر لوگ رونو دادا کہنے
لگے ۔ گویا زیادہ عمر ہونے پر جو دادا کہا جاتا ہے ۔ میں
وہ ہوں ۔ بدمعاشوں والا دادا نہیں ہوں۔" اس نے مسکرا
کر کہا۔

وہ بھی مسکرا دیے ۔ پھر وہ انھیں اندر لے آیا ۔ وہ
شخص واپس چلا گیا ، جو انھیں یہاں تک لایا تھا ۔ اندر
آنے پر وہ حیران رہ گئے ۔ وہ گھر کیا تھا ۔ ایک اچھا بھلا
کباڑ خانہ تھا ۔ کوئی چیز بھی ڈھنگ کی نہیں تھی ، نہ ڈھنگ
سے رکھی نظر آئی ۔ ایک کتب خانہ تھا تو وہ بھی اجڑا ہوا سا،
کتابیں ادھر ادھر بے ترتیبی سے بکھری پڑی تھیں ۔ ایک
طرف ایک چھوٹی سی تجربہ گاہ بھی نظر آئی۔

"ہائیں تو آپ سائنس دان بھی ہیں؟" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"جی بس۔ یونہی شوق ہے۔ ویسے میں طالب علم سائنس کا ہی تھا۔"

"بہت خوب!" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

اور پھر وہ اس کی تجربہ گاہ کو غور سے دیکھنے لگے۔

"ایک منٹ میں ابھی آیا۔" رونو دادا کو جیسے کچھ یاد آگیا۔ جونہی وہ گئے۔ پروفیسر داؤد نے سرگوشی میں کہا:

"ان حضرت کو سائنس کی اب بھی معلوم نہیں۔"

"اوہو اچھا۔ تو پھر یہ تجربہ گاہ؟"

"بس اوٹ پٹانگ تجربات کر کے اپنا وقت گزارتا ہوگا۔"

ایسے میں کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ سمجھے رونو دادا آیا ہوگا۔ اس لیے دروازے کی طرف متوجہ نہ ہوئے، لیکن اچانک کمرے میں زلزلہ شروع ہو گیا۔

کتا

خلیفہ جی میدان سے سیدھا اپنے محل نما مکان میں آیا۔ اس نے کسی سے بات کیے بغیر ایک کمرے کا رُخ کیا، کمرے کا دروازہ بند کر کے اس نے دیوار پر لگے ایک فریم کے پیچھے ہاتھ ڈال کر کچھ کیا، فوراً ہی دیوار میں ایک خلا نمودار ہوا۔ اور سیڑھیاں دکھائی دیں۔ وہ جلدی جلدی سیڑھیاں اترنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے پاؤں فرش پر جا لگے۔ دیوار میں لگا ایک سوئچ ٹٹول کر اس نے دبا دیا۔ وہاں روشنی ہو گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا تہ خانہ تھا۔ اس کی ایک دیوار میں ایک اور بٹن لگا تھا۔ اس کے دبانے سے تہ خانے میں ایک دروازہ نمودار ہوا، وہ دروازہ ایک سُرنگ کا تھا۔ وہ اس سُرنگ میں چلنے لگا۔ وہ اتنی بڑی تھی کہ ایک آدمی آسانی سے اس میں چل سکتا تھا۔ وہ کوئی پندرہ منٹ چلتا رہا، پھر

دُوسری طرف سُرنگ ختم ہوتی نظر آئی اور ایک دروازہ نظر آیا۔ بٹن دبانے پر دروازہ کھل گیا۔ وُہ دروازے سے ہو کر ایک کمرے میں آ گیا اور ایک بٹن دبا دیا۔ چند منٹ بعد سامنے والا دروازہ کھلا اور ایک سیاہ پوش اندر داخل ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر دستانے تھے۔ اور ان میں سے ایک میں ایک خوفناک سا پستول تھا۔ دُوسرے میں بم نما کوئی چیز تھی۔

"کیا بات ہے خلیفہ۔ اس وقت آنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"باس! آپ نے ان اجنبیوں کے بارے میں سُنا؟"

"کیا مطلب۔ کن کی بات کر رہے ہو خلیفہ؟"

اس نے انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں بتا دیا، پھر بولا:

"اب میں مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ مَیں آگ میں سے کس طرح گزروں گا؟"

"اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ تم ایک روز پہلے رات کے وقت آ کر مجھ سے ایک خاص لباس لے لینا۔ آگ اس لباس کو چھوئے گی بھی نہیں۔"

"بہت خوب! باس ہو تو آپ جیسا۔"

"لیکن اگر وُہ بھی آگ سے بچ کر نکل آیا۔" باس نے کہا۔

"آپ ہی بتائیں۔ میں کیا کروں؟"

"وُہ بھی کوئی ایسا ہی لباس استعمال کرے گا۔"

"ہوں۔ آپ کا خیال ٹھیک ہے۔"

"لہٰذا۔ جب تم آگ سے گزر رہے ہو گے۔ اس پر فائر کر دینا۔"

"فائر۔ لیکن فائر کی آواز سے تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"اوہو۔ تم اپنے کپڑوں میں خنجر چھپا کر لے جانا۔ اس کی کمر میں گھونپ دینا۔ مر جائے گا۔ قصّہ پاک ہو جائے گا۔"

"بہت خوب! آپ تو کمال کرتے ہیں۔"

"بس اب تم جاؤ۔ مجھے اپنے بہت سے کام نپٹانے ہیں۔" باس نے کہا۔

اور خلیفہ اُسی راستے سے لوٹ گیا۔ اب اس کے چہرے سے گھبراہٹ کے آثار دُور ہو چکے تھے۔ گھبراہٹ کی جگہ اطمینان نے لے لی تھی۔ وُہ اپنے کمرے میں پہنچا ہی تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجتی سُنائی دی۔ جلد ہی ایک ملازم اندر داخل ہوا:

"خلیفہ جی۔ وادی کے کچھ لوگ آئے ہیں۔ آپ کو

کوئی اہم اطلاع دینے آئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ۔ انھیں یہیں لے آؤ۔"

اور پھر کوئی چھ آدمی اندر داخل ہوتے :

"کیا بات ہے بھئی ۔ کچھ گھبرائے ہوتے ہو۔"

"آپ کو ایک اہم اطلاع دینا تھی ۔ آپ کے دشمنوں نے رونو دادا کے گھر میں پناہ لی ہے۔"

"اوہو اچھا ۔ پکڑ کر لے آؤ اس بدبخت کو۔"

"او کے خلیفہ جی۔" کئی آوازیں اُبھریں۔

اور پھر وُہ چلے گئے ۔ کوئی ایک گھنٹے بعد خلیفہ جی کے دروازے کی گھنٹی بجی ۔ مُلازم دروازے کی طرف دوڑ پڑا ۔ جونہی دروازہ کھُلا ۔ مُلازم حیرت زدہ رہ گیا ۔

کمرے میں ایک نوجوان لڑکی داخل ہوئی تھی اور پھر اس نے کمرے میں زلزلے کی حالت طاری کر دی ۔ چیزیں اُٹھا اُٹھا کر پھینکنا شروع کر دیں ۔ جو چیز ہاتھ میں آئی ۔ اُٹھا کر ان پر دے ماری ۔ وُہ اگر پھرتی نہ دکھاتے تو اس وقت تک لہولہان ہو چکے ہوتے ۔ اب

بھی ۔ اس طرح تابڑ توڑ چیزیں پھینک کر مار رہی تھی ۔ اور وُہ ان سے بچنے کے لیے بلا کی تیزی دکھا رہے تھے ۔

ایسے میں ایک سرد آواز گونجی :

"بے بی ۔ یہ کیا ہو رہا ہے ۔ کیا تمھیں پھر کمرے میں بند کرنا پڑے گا۔"

"نن ۔ نہیں ۔ نہیں۔" لڑکی نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"تو پھر ۔ جاؤ اور اپنا سبق یاد کرو ۔ اگر سبق نہ سُنا سکیں تو تمام رات برف کی سل پر کھڑے رہنا پڑے گا۔"

"بب ۔ برف کی سل ۔ نن ۔ نہیں ۔ نہیں۔" اس نے چیخ کر کہا ۔

"تو پھر جاؤ ۔ اپنے کمرے میں۔" رونو دادا کی جھلائی ہوئی آواز سُنائی دی ۔

اور لڑکی بھیگی بلی کی طرح بھاگ گئی :

"آپ ۔ آپ کوئی خیال نہ کیجیے گا ۔ میری یہ بچی پاگل ہے ۔ بالکل پاگل ۔ جی ہاں !"

"اوہ اچھا ۔ کوئی بات نہیں۔" اِنسپکٹر جمشید نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا ۔

"یہ صرف اور صرف برف کی سل سے ڈرتی ہے۔" رونو دادا بولا ۔

" تو کیا آپ واقعی اسے برف کی سل پر لٹا دیتے ہیں؟"

" ارے نہیں۔ برف کا ذرا سا ٹکڑا بھی اگر چھو
دیں تو اس کی جان سی نکل جاتی ہے۔ لہٰذا جب میں
برف کی سل کا نام لیتا ہوں تو بھاگ کر اپنے کمرے
میں جا دبکتی ہے۔"

" تو آپ اس کا علاج کرائیے نا۔"

" بہت علاج کرا چکا ہوں۔"

" دارالحکومت میں ہمارے کچھ ماہر ڈاکٹر دوست ہیں،
ہم ان سے بات کریں گے۔ امید ہے۔ یہ ٹھیک ہو
سکتی ہے۔"

" اوہ اچھا۔ تب تو ضرور کچھ کیجیے گا۔"

" ضرور۔ کیوں نہیں۔"

" آئیے میں آپ کو آپ کے کمرے دکھا دوں۔ دراصل
میں وہی ٹھیک کروانے چلا گیا تھا۔"

" آپ نے زحمت کی۔ ہم خود ہی ٹھیک کر لیتے۔"

وہ انھیں ان کے کمروں کی طرف لے آیا۔ تین
کمرے ٹھیک کروائے گئے تھے۔ ایک سامان کے لیے،
دو رہنے کے لیے۔ سامان ایک کمرے میں ڈھیر کر کے
وہ دوسرے کمرے میں ایک میز کے گرد آ بیٹھے۔ رونو دادا

بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

" اس گھر کو اپنا گھر سمجھیے گا۔ کسی بھی چیز کی ضرورت
ہو۔ فوراً بلا تکلف دروازے پر کھٹ کھٹ کر دیجیے
گا۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔" اس نے میز پر انگلیاں
بجاتے ہوئے کہا۔

" اچھی بات ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ! ایک
آدمی تو اس وادی میں ہمارا ہم خیال نکلا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

" میں تو اس وادی کے لوگوں پر کڑھتا رہتا ہوں۔
اللہ کو چھوڑ کر قبر اور بتوں سے ناطہ جوڑ لیا۔ پرانے زمانے
کے مشرک یہی کچھ تو کیا کرتے تھے۔"

" جی ہاں بالکل۔"

پھر وہ اٹھ کر چلا گیا۔

" اب تم نے کیا سوچا ہے جمشید؟" پروفیسر داؤد
فکر مندانہ انداز میں بولے۔

" کس بارے میں؟"

" آگ سے گزرنے کے بارے میں۔"

" گزروں گا۔ اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔"

" جمشید۔ آگ کا کام جلانا ہے۔"

" جب اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ صرف اس وقت۔ آپ

پریشان نہ ہوں — اگر ہم درست راستے پر ہیں — تو اللہ تعالیٰ اسلام کا ضرور بول بالا فرمائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک جمشید — میں تو سوچ رہا ہوں — آگ سے گزرنے میں مَیں بھی تمھارا ساتھ دوں گا۔"

"کوئی حرج نہیں — آپ بھی میرا ساتھ دے سکتے ہیں۔"

"تو پھر ہم ہی پیچھے رہ کر کیا کریں گے۔" محمود نے کہا۔

"ارے باپ رے — میں تو کچھ اور سوچ رہا تھا — یہاں تو کایا پلٹ ہو گئی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ — مَیں نے سوچا تھا — ان تین دنوں میں مَیں تمھارے لیے ایک ایسا لباس تیار کروں — جس پر آگ اثر نہ کرے۔"

"نہیں پروفیسر صاحب — یہ تو دھوکا بازی ہو گی — مُسلمان دھوکا باز نہیں ہوتا — آپ کو تو ایسا ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچنا چاہیے تھا۔"

"اوہ — مُجھے افسوس ہے — اور اس بات کی خوشی کہ تم بہت پُختہ مسلمان ہو۔" پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا۔

"اب ذرا میں محمود، فارُوق اور فرزانہ کی ڈیوٹی لگا دوں، ان سے ہمیں کچھ کام لینا ہے۔"

"اور وُہ کیا ابّا جان؟" تینوں چونک کر بولے۔

"معلوم ہوتا ہے — کام کرنے کے لیے بہت بے چین ہوئے جا رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی کوئی ایسے ویسے۔"

"تو پھر سُنو — تمھیں خلیفہ کے گھر میں چھپ کر اس کی نگرانی کرنی ہے۔" وُہ دبی آواز میں بولے۔

"کیا مطلب — کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ پہلے ہم چوری چھپے اس کے گھر میں داخل ہوں — اور پھر کسی کو نظر بھی نہ آئیں — ایسی حالت میں اس کی نگرانی کریں۔" محمود بولا۔

"ہاں! تمام رات نگرانی — دن نکلنے سے کچھ پہلے تم وہاں سے نکل کر اس طرف آ سکتے ہو۔"

"اور آپ اس قدر دبی آواز میں بات کیوں کر رہے ہیں؟" فرزانہ نے کہا۔

"اس لیے کہ خلیفہ بھی ہماری اسی طرح نگرانی کرانے کی کوشش کرے گا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"بلکہ اس نے تو یہ کام شروع کر بھی دیا ہو گا — تم ذرا ایک چکر نہایت احتیاط سے پائیں باغ کا لگا

آؤ۔ اگر وہاں کوئی نظر آ جائے تو اس طرح لوٹ آنا، جیسے اسے دیکھا ہی نہیں۔"

"جی اچھا۔ ایسا لگتا ہے۔ جیسے آپ اس کیس کو انوکھے انداز میں حل کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں! دشمن کو انھی کے ہتھیار سے مارنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔"

"تو پھر۔ کیا ہم جائیں؟"

"ہاں! ہمیں تین راتوں تک وہاں کی نگرانی کرنی ہے۔ دن یہاں گزارنا ہے۔ ہمیں کرنے کے لیے اور کوئی کام نہیں ہے۔ ان لوگوں کو تو ہم کتنی بھی تبلیغ کر لیں۔ یہ ماننے کے نہیں۔ لہٰذا اس کا ایک ہی حل ہے اور وُہ میں نے سوچ لیا ہے۔"

"اور جو آپ نے سوچ لیا ہے۔ وہ آپ ہمیں بتائیں گے نہیں؟" محمود مسکرایا۔

"سمجھ دار ہوتے جا رہے ہو۔" وُہ مسکرائے۔

اور پھر وُہ تینوں وہاں سے نکل گئے۔ خلیفہ کی کوٹھی کا پتا چلانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وادی کا بچّہ بچّہ جانتا تھا۔ لہٰذا انھوں نے بھی ایک بچے سے ہی پوچھا۔ ابھی رات اتنی زیادہ نہیں ہوئی تھی اور بچّے سڑکوں پر

اور گلیوں میں کھیل رہے تھے۔

کوٹھی کے سامنے پہنچ کر وہ رک گئے۔ ایک تاریک گوشے میں کھڑے ہو گئے۔ رات زیادہ ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وادی خاموش ہو گئی۔ بس کُتّوں کے بھونکنے کی آوازیں باقی رہ گئیں:

"میرا خیال ہے۔ اب چلنا چاہیے۔" محمود نے کہا۔

"معمول کے مطابق پہلے ہم کوٹھی کا ایک چکر لگائیں گے۔ اس کے دائیں بائیں دونوں طرف کوٹھیاں موجود ہیں۔ ہم صرف آگے سے یا پچھلی طرف سے اندر داخل ہو سکیں گے۔ اگلی طرف سے دروازہ بند ہے، لہٰذا پچھلی طرف سے ہی مناسب رہے گا۔" فرزانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ کیوں مناسب رہے گا۔ پائپ سے جو مجھے چڑھنا پڑے گا اور تم تو صرف نیچے کھڑے رہ کر اُوپر دیکھ کر ہنسو گی اور بس۔ مناسب تو تمھیں لگے گا ہی۔"

"اچھا مرچیں کیوں چبا رہے ہو۔ اگر تم اتنے ہی تنگ آ گئے ہو تو آج یہ کام میں کروں گا۔ توحید کے لیے مَیں کسی کام میں پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔"

"ارے ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا۔ اِس بار مقابلہ

توحید اور شرک کا ہے۔ اب تو میں ہی اُوپر جاؤں
گا۔" فاروق نے فوراً کہا۔
"تمھارا بھی کچھ پتا نہیں چلتا۔ یا بالکل کام چور نظر آتے
ہو یا پھر حد درجے کام کرنے والے۔"
"جو بھی نظر آتا ہوں۔ صبر شکر کے ساتھ دیکھ لیا کرو۔"
فاروق نے منہ بنایا۔
کوٹھی کے پچھلی طرف ایک پائپ چھت تک جا رہا
تھا۔ لیکن چھت بہت اونچی تھی؛ تاہم وُہ بھلا اونچی
چھت کو کیا خاطر میں لاتے۔
"تو بھئی۔ میں چلا۔ تم نیچے کھڑے رہ کر دُعا تو کر
سکتے ہو نا۔"
"بالکل۔ تم فکر نہ کرو۔"
فاروق اللہ کا نام لے کر پائپ پر چڑھتا چلا گیا۔
یہاں تک کر وُہ منڈیر تک پہنچ گیا، لیکن جونہی اس نے
منڈیر پر ہاتھ جمایا، ایک خوف ناک غراہٹ سُنائی دی
اور کوئی بھاری بھرکم چیز اسے اپنے سر کی طرف چھلانگ
لگاتی محسوس ہوئی۔
"ارے باپ رے۔" اس نے گھبرا کر کہا اور یک دم
نیچے سرک گیا۔ وہ بھاری بھرکم چیز اپنی جھونک میں نیچے

جا گری۔
"اُف مالک۔ یہ۔ یہ کیا چیز تھی بھئی؟" اس نے کانپتے
ہوئے کہا۔
"کک۔ کُتّا۔ خوف ناک حد تک بڑا۔" نیچے سے محمود
کی آواز سُنائی دی۔
"شکر ہے۔ یہ کک کتا تھا۔ اگر صرف کتا ہوتا۔ تو میں
تو گیا تھا کام سے۔" اس نے لرز کر کہا۔
"کک کتا۔ کیا مطلب؟" نیچے سے فرزانہ نے مارے حیرت
کے کہا۔
"بھئی۔ باورچی کتا۔"
"اوہ تم غلط سمجھے۔ میں نے تو مارے ہکلاہٹ کے
کک کتا کہا تھا۔"
"ارے باپ رے۔ تو یہ باورچی کتا نہیں تھا۔" یہ کہ
کر وُہ زور زور سے کانپنے لگا۔
"عجیب احمق ہو۔ اب ڈرنے، گھبرانے، لرزنے اور
کانپنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب تو یہ مر چکا ہے۔" محمود
نے کہا۔
"اچھا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔ بہرحال تم اس
کی لاش کو اِدھر اُدھر کر دو۔ اس طرف درخت ہیں،

ان کے درمیان چھپا دو۔"

"ہاں! یہ تو کرنا ہوگا، ورنہ پوری کوٹھی کی تلاشی لی جائے گی اور ہم پکڑے جائیں گے۔ لاش نہ ملی تو یہ لوگ خیال کریں گے۔ کتا نہیں چہل قدمی کے لیے نکل گیا ہے۔ ویسے یار۔ کیا کتے بھی چہل قدمی کرتے ہیں؟" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"پپ۔ پتا نہیں۔ کتوں سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ تم فرزانہ سے پوچھ لو۔"

"لیکن میں نے ابھی کسی کتے سے کب پوچھا ہے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"ارے بھئی۔ اگر چھت پر اس کا کوئی بھائی اور ہوا تو..."

"تو ایک بار پھر نیچے کی طرف سرک آنا۔ کتا فضا میں تو رک کر تم پر وار کرے گا نہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"ہاں! یہ تو ہے۔ اچھا، اللہ مالک ہے۔"

اس نے کہا اور چھت پر اُتر گیا۔ اس بار کسی کتے کی غراہٹ نے اس کا استقبال نہ کیا۔

وہ سیدھا زینے کی طرف آیا اور اسے بند پا

کر مسکرا دیا:

"لو بھئی۔ مزا آ گیا۔" اس نے منڈیر پر آ کر نیچے جھکتے ہوئے کہا۔

"صرف تمھیں۔ ہمیں نہیں۔ جب تک ہمیں معلوم نہیں ہوگا کہ تمھیں مزا کیوں آیا ہے۔ ہمیں کس طرح آ سکتا ہے۔"

"اسی لیے تو بتانے آ گیا ہوں۔"

"تو بتاؤ نا۔ تمھیں کیوں مزا آیا ہے؟" محمود بے چین ہو کر بولا۔

"زینہ دُوسری طرف سے بند ہے۔"

"دھت تیرے کی۔ تو یہ ہے مزے دار بات۔ گویا اب ہمیں بھی پائپ کے ذریعے ہی آنا ہوگا اور ابھی ہم نے کتے کو ٹھکانے نہیں لگایا۔"

"تو اب لگا دو۔ یہ کیا مشکل ہے۔"

"بھئی یہ بہت بڑا ہے۔ اس لحاظ سے بہت وزنی ہے۔ کیا سمجھے؟"

"ہاں! سمجھ گیا۔ لیکن کرنے والا کام تو کرنے سے ہی ختم ہو سکتا ہے۔ صرف باتیں کرنے سے کُتا ایک طرف نہیں ہو جائے گا۔"

"اس میں کیا شک ہے — خیر — تم انتظار کرو — اور صبر کرو۔"

"میں انتظار اور صبر کر لوں گا — تم فکر نہ کرو۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"فکر کرتی ہے — میری جوتی — اور کرتا ہے محمود کا جوتا۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"واہ — محمود کے جوتے تک کے لیے مذکر کا صیغہ بولا جا رہا ہے — اللہ رے اُردو کے آداب" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیوں نہ ہو — آخر ہماری مادری زبان ہے۔"

اور پھر وہ کتے کو چھپا کر وہ اُوپر پہنچے — اب رسی کی سیڑھی نیچے لٹکائی گئی — اس کا انتظام وہ کر کے چلا کرتے تھے — نیچے اُتر کر پہلے انھوں نے زینے کا دروازہ کھول دیا — تاکہ فرار ہونے کی نوبت آجائے تو کوئی خطرہ نہ مول لینا پڑے — اور رسی کی سیڑھی اتار کر چھت پر ہی ایک جگہ رکھ دی:

"یار ہم غلطی کر رہے ہیں"۔ محمود نے کہا۔

"میں نے آج تک نہیں کہا کہ ہم غلطی نہیں کرتے"۔ فاروق بولا۔

"اوہو — سنو — صبح کتے کو اس کی خوراک دینے کے لیے کوئی ملازم اوپر آئے گا — کتا غائب ہو گا، لیکن یہ رسی تو یہاں ہو گی نا — اس رسی کو دیکھ کر خلیفہ سب کچھ سمجھ جائے گا — جب کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ کچھ نہ سمجھے۔"

عین اس وقت انھوں نے صحن میں دو جلتی ہوئی آنکھیں دیکھیں۔

آواز

ان کی سٹی گم ہو گئی — عین اس وقت اس چیز نے ان پر چھلانگ لگائی:

" ارے باپ رے"۔ محمود نے گھبرا کر کہا۔

وہ فوراً لڑھک گئی — وہ چیز ان کے جسموں پر سے ہوتی سامنے والی دیوار سے جا ٹکرائی — برامدے میں مکمل اندھیرا تھا — اب فاروق نے پنسل ٹارچ روشن کی تو انہیں ایک شیر کا بچہ نظر آیا — لیکن یہ بچہ بھی بڑے کتے کے سائز کا تھا:

" یار فاروق — تم پر جس چیز نے چھلانگ لگائی تھی نا..." محمود نے جملہ درمیان میں چھوڑ دیا۔

" ہاں ہاں — کہو رک کیوں گئے؟"

" وہ کتا نہیں — شیر کا بچہ تھا"

" کیا!!! اس کی آواز بلند ہو گئی۔

" کیا کرتے ہو — کیا اپنی موجودگی کا احساس سب کو دلا دینا چاہتے ہو"۔

" نن — نہیں — لیکن اب — ہم اس کی لاش کا کیا کریں گے — صبح ملازم اس کے ہلاک ہونے کی اور دوسرے کے غائب ہونے کی خبر خلیفہ کو دے گا تو ہمیں دوسری رات پکڑ لیا جائے گا — آج کی رات تو جیسے تیسے گزر جائے گی"۔ فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

" تو پھر ہم بھی غائب ہو جاتے ہیں"۔ فرزانہ بولی۔

" تو پھر ابا جان کو کیا منہ دکھائیں گے"۔ محمود نے جھلا کر کہا۔

" وہ ہمارے منہ دیکھ کر کیا کریں گے — کیا پہلے دیکھے ہوئے نہیں ہیں"۔ فاروق مسکرایا۔

" یار چپ رہو — ایک تو تمہیں ہر وقت مذاق کی سوجھتی رہتی ہے"۔

" اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اس کی لاش کو بھی اٹھا کر نیچے پھینک دیں — جب صبح منہ اندھیرے واپس جانے لگیں گے تو اس کی لاش کو بھی پہلے کے پاس چھپا دیں گے"۔

" بالکل ٹھیک — شاید گھر کے افراد اسی لیے گھوڑے

بیچ کر سو رہے ہیں - کہ وہ جانتے ہیں - گھر کی حفاظت
کے لیے تو ایک شیر بھی کافی ہے - اور انھوں نے تو
چھوڑ رکھے ہیں دو دو شیر - ارے باپ رے - یار واقعی وہ
شیر تھا۔" فاروق نے ایک بار پھر لرز کر کہا۔

"حد ہو گئی - وہ تو مارا بھی جا چکا - اب اس سے
کیا ڈرنا۔"

"ہاں بالکل - آؤ - اب اسے اوپر لے جائیں۔"

"تو اوپر لے جانے کی کیا ضرورت ہے - کوئی دروازہ
کھول کر باہر نکال دیتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

انھوں نے پنسل ٹارچ کی مدد سے اس کا جائزہ لیا:

"یہ - یہ تو زندہ ہے۔" فاروق گھبرا گیا۔

"شاید سر زیادہ گہرائی تک نہیں پھٹا - خیر - ہم اس
میں ایک گولی بھی اتار دیتے ہیں۔"

"ہاں! یہی ٹھیک رہے گا - اس بے چارے کو تکلیف
سے نجات مل جائے گی۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیا کہہ رہی ہو - شیر اور بے چارہ۔"

"اس وقت تو یہ بے چارہ ہی ہے۔"

اور پھر انھوں نے اس شیر کو بھی گھر سے باہر

کر دیا - پھر خون کے دھبے صاف کیے - اس غرض کے
لیے انھوں نے پانی بھی استعمال کیا - اس کے بعد کہیں
جا کر انھوں نے اطمینان کا سانس لیا - پھر گھر کا جائزہ
لیا - سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں مُردوں کی طرح
پڑے تھے -

"یہ بات سمجھ میں آئی - یہ اس قدر گہری نیند کیوں
سو رہے ہیں۔"

"شاید یہ نیند کی گولیاں کھا کر سوتے ہیں۔"

"اوہ ہاں! ویسے تو انھیں نیند آتی نہیں ہو گی —
مشرکوں کو اللہ تعالیٰ نیند یا اس جیسی کسی اور نعمت سے
ضرور محروم کر دیتے ہیں یا ایسی کسی بیماری میں مبتلا
کر دیتے ہیں کہ انھیں کسی کل چین نہیں آتا۔"

"ہوں - ٹھیک ہے - ان حالات میں تو اس گھر کی
تلاشی لینا مشکل کام نہیں۔"

کمروں کے دروازے اندر سے بند نہیں تھے - حیرت
کی بات تھی - گھر کے لوگ اس شیر سے بالکل نہیں ڈرتے
تھے - کیا شیر بھی انسان سے اس حد تک مانوس ہو سکتا
ہے - اس بارے میں انھیں کچھ معلوم نہیں تھا -
لہٰذا انھوں نے اس پہلو پر غور کی کوئی ضرورت محسوس

نہ کی اور تلاشی لینا شروع کی۔

وہ دو گھنٹے تک تلاشی لیتے رہے۔ گھر کے افراد تو بالکل مُردوں کی طرح پڑے تھے۔ لہٰذا وہ بے فکری سے تلاشی لیتے رہے۔

"تم نے ایک خاص بات کی طرف توجہ نہیں دی۔" فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔

"اور وُہ کیا؟"

"کسی کمرے میں بھی خلیفہ نہیں ہے۔"

"اور باہر کا دروازہ اندر سے بند ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ باہر نہیں گیا۔ ہے اندر ہی کہیں۔ ارے باپ رے۔ کہیں چھپ کر تو ہمیں نہیں دیکھ رہا۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تب پھر وہ کہاں ہے؟"

"آؤ تلاش کرتے ہیں۔"

انھوں نے پوری کوٹھی کا جائزہ لیا، لیکن خلیفہ کہیں نظر نہ آیا۔ ایسے میں انھوں نے ایک ہلکی سی آواز کسی سمت میں سُنی۔ اُن کے کان کھڑے ہو گئے۔

وہ فوراً ایک تاریک گوشے میں دبک گئے۔ کافی دیر تک انتظار کرنے کے بعد پھر کوئی آواز سنائی نہ دی۔

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ آواز خلیفہ کے کمرے کی طرف سے آئی تھی۔"

"تو آؤ۔ دیکھ لیتے ہیں۔"

وُہ دبے پاؤں کمرے کے دروازے تک آئے۔ اور تالے کے سوراخ میں سے اندر جھانکا۔ اب تو ان کی حیرت کا ٹھکانا نہ رہا۔ خلیفہ اندر اپنے بستر پر موجود تھا۔ وُہ جاگ رہا تھا۔ اور کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ کافی دیر تک وہ اسے دیکھتے رہے، پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اور انھوں نے محسوس کر لیا کہ وُہ سو گیا ہے۔

وہ پیچھے ہٹ آئے۔ تینوں اُلجھن میں تھے:

"یہ کیا بات ہوئی۔ پہلے جب ہم نے اس کمرے میں دیکھا تو یہ اندر موجود نہیں تھا۔ اب موجود ہے۔" محمود نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"اور ہم نے ایک ہلکی سی آواز بھی تو سُنی تھی۔"

"تب پھر ان حضرت کے کمرے کا جائزہ لینا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ کیا خیال ہے۔ یہ کام بھی آج ہی کرتے چلیں۔"

"اور کیا۔ جو کام نبٹ جائے۔ اچھا ہے۔"

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ اس طرح کہ
ہلکی سی آہٹ نہ ہو سکی۔ پھر محمود نے جیب سے رومال
نکال کر خلیفہ کی ناک کے قریب لہرایا۔ اس دوران وہ
خود سانس روکے کھڑے رہے۔ پھر چند سیکنڈ بعد اس
نے رومال تہ کرکے جیب میں رکھ لیا اور تب کہیں جا
تینوں نے سانس لیا۔

"اب یہ حضرت صبح سے پہلے تو جاگیں گے نہیں۔ اور
خیال یہ کریں گے کہ آج کی رات نیند بہت گہری آئی ہے۔"

"پھر بھی ہمیں احتیاط کرنی چاہیے۔ گھر کا کوئی اور
فرد تو جاگ سکتا ہے۔"

"تو کیوں نہ ان سب کو صبح تک کے لیے گہری نیند
سُلا دیا جائے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔ اس طرح ہم بے فکر ہو کر
تلاشی لے سکیں گے۔"

اور پھر انھوں نے سب کو وہ رومال سنگھا دیا۔
پھر خلیفہ کے کمرے میں آ کر اس کا جائزہ شروع کیا۔
آخر انھوں نے اس دیوار پر لگی فریم شدہ تصویر کے
نیچے وہ بٹن تلاش کر ہی لیا۔ اب جو محمود نے بٹن
دبایا۔ تو دیوار میں دروازہ نمودار ہو گیا۔

"وہ مارا!" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"آؤ۔ دیکھتے ہیں۔"

وہ نیچے اُتر گئے۔ پنسل ٹارچ کی مدد سے وہ سوئچ
دبانے کے قابل بھی ہو گئے اور تہ خانے میں روشنی ہو گئی:

"یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔" فرزانہ بولی۔

"تب پھر۔ یہاں کوئی اور دروازہ ہو گا۔"

"شاید۔" دونوں بولے۔

اب انھوں نے پھر تلاش شروع کی۔ دیوار میں انھیں
بٹن لگا نظر آ گیا۔ اب جو انھوں نے بٹن دبایا تو سُرنگ
کا دروازہ کھُل گیا:

"ارے باپ رے۔ یہ تو سُرنگ ہے۔"

"اب کیا کریں؟" فرزانہ بولی۔

"اس میں چلتے ہیں۔ دیکھتے ہیں، یہ سُرنگ کہاں
تک جاتی ہے۔"

"کہیں پھنس نہ جائیں۔ میں تو کہتا ہوں۔ آج یہاں
سے چلے جاتے ہیں۔ کل سُرنگ کو بھی دیکھ لیں گے۔
اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ ابا جان کو بھی اس کوٹھی کے
بارے میں ساری باتیں معلوم ہو جائیں گی۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔ میرا مشورہ بھی یہی ہے۔" فرزانہ

نے کہا۔

"جیسے تم دونوں کی مرضی۔ ویسے میں سُرنگ میں جانے کے لیے بہت بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔" محمود نے کہا۔

"کل بے چینی دُور کر لینا۔"

آخر محمود کو ان کی بات ماننا پڑی۔ وہ گھر سے باہر نکل آئے۔ باہر آنے کے لیے انھوں نے پائپ کا راستا ہی اختیار کیا۔ اور پھر رونو دادا کے گھر پہنچے۔ تینوں بڑے جاگ رہے تھے:

"حیرت ہے۔ آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں۔"

"تمھارے انتظار میں۔ ہم نے سوچا تھا۔ تمھارے آنے کے بعد ہی سوئیں گے۔" وہ مسکرائے۔

"اوہ! تب تو شکر ہے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"یہ کس بات پر خدا کا شکر ادا کیا ہے؟"

"ہمارا آنے کا پروگرام نہیں تھا۔ ایک اور کام کر کے آنے کا ارادہ بن چلا تھا، لیکن پھر اس کام کو درمیان میں چھوڑ کر ادھر آنے کا پروگرام بنا لیا۔ اگر ہم نہ آتے تو آپ کو ساری رات انتظار میں کاٹنا پڑتی۔ بس اسی بات پر خدا کا شکر ادا کر رہے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔ اب جلدی سے رپورٹ سُنا دو۔"

انھوں نے تفصیل کہ سُنائی۔ مارے حیرت کے ان کا بُرا حال ہو گیا۔ شیر کا ذکر سُن کر وہ بہت خوف زدہ ہوئے۔ پھر تہ خانے کے ذکر نے ان کی سٹی گم کر دی اور جب تہ خانے میں سُرنگ کا ذکر آیا تو اُچھل ہی پڑے اور ان کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید بولے:

"واہ! تم نے تو کمال ہی کر دیا۔"

"لیکن سرنگ کے آخر میں کیا تھا۔ ہم یہ دیکھتے بغیر ہی آ گئے۔"

"میرے خیال میں تو تم نے بہت اچھا کیا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"لیکن اب یہ دوبارہ وہاں نہیں جا سکیں گے اور اس طرح سرنگ کا راز راز ہی رہ جائے گا۔" خان رحمان بولے

"ہاں! یہ واقعی بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"نہیں! ابھی بہت رات پڑی ہے۔ یہ کام میں کرکے آؤں گا۔"

"لیکن آپ ہمیں ساتھ لے چلیں۔"

"تم تینوں کو ساتھ لینے کی ضرورت نہیں۔ صرف فاروق

رے ساتھ چلے۔" وہ بولے۔

"جی نہیں ۔ ہم تینوں ہی چلیں گے ۔ ورنہ یہاں ہمارا
دل نہیں لگے گا۔"

"تب پھر ہم ہی یہاں کیا کریں گے۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن آپ سب کو باہر ٹھہرنا پڑے گا ۔ میں صرف
ایک کو ساتھ لے کر اندر جاؤں گا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔"

اور وہ وہاں سے روانہ ہوئے ۔ انھیں باہر چھوڑ کر اور
فاروق کو ساتھ لے کر وہ کوٹھی کے اندر داخل ہوئے ۔
گھر کے اندر سب اسی طرح سوئے پڑے تھے ۔ آخر وُہ
سُرنگ میں داخل ہو گئے ۔ سُرنگ کے دُوسرے سِرے پر
دروازہ کھولنے میں انھیں کوئی دقّت نہ ہوئی ، پھر وُہ
ایک کمرے میں آئے ۔ اس کمرے کا دروازہ باہر سے
بند تھا۔

"اب ہم کیا کریں۔ دروازہ توڑ نہیں سکتے۔ اور جب
تک دُوسری طرف نہ نکل جائیں۔ ہمیں یہ پتا نہیں چلے
گا کہ یہ گھر کس کا ہے۔"

"ہاں ! یہ تو ہے۔"

"کمرے میں صرف ایک دروازہ ہے ۔ ایک کھڑکی ہے۔

ارے ہاں ! محمود کا چاقو اگر ہو تو کام بن سکتا ہے۔"

"تو میں جا کر لے آتا ہوں ۔ پہلے مجھے سرنگ کو عبور
کرنا ہوگا ۔ پھر خلیفہ کے گھر سے باہر نکل سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے ۔ اس سارے کام میں وقت صرف ہوگا ۔
میں انتظار کروں گا ۔ تم جاؤ۔"

فارُوق چلا گیا ۔ وُہ انتظار کرنے لگے ۔ ایسے میں
انھوں نے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سُنی ۔

بم

فاروق تیز تیز چلتا سُرنگ پار کر گیا، پھر تہ خانے سے ہو کر اوپر پہنچا۔ گھر میں سب بے سُدھ سو رہے تھے۔ اس نے ایک دروازہ کھولا اور ان کے پاس آیا:

"محمود۔ چاقو۔"

"اوہ اچھا۔ کہاں تک پہنچے اب تک۔"

"سُرنگ کے دُوسرے سرے پر جو مکان واقع ہے اس کے ایک کمرے تک۔ لیکن جب تک ہم اس مکان کو باہر سے نہ دیکھ لیں۔ اس وقت تک یہ اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ سُرنگ کا تعلق کس مکان سے ہے۔ لہٰذا دروازہ کھولنے کے لیے چاقو کی ضرورت پیش آ گئی۔"

"اچھی بات ہے۔ یہ لو چاقو۔"

چاقو لے کر وُہ پھر واپس روانہ ہوا۔ جُونہی سُرنگ

میں پہنچا۔ تہ خانے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ وُہ حیرت زدہ رہ گیا۔ پہلے تو انھیں تہ خانے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ گھبرا کر وُہ واپس پلٹا۔ اور یہ دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی کہ تہ خانے کا دروازہ دوسری طرف سے بند کر دیا گیا تھا۔ اور اس کا مطلب یہ تھا کہ خلیفہ جاگ گیا تھا اور اس نے یہ ساری حرکات ان کی نوٹ کر لی تھیں۔

اب وُہ تیزی سے سُرنگ کی طرف بڑھا۔ سُرنگ میں چلتے ہوئے اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اور پھر اسے ٹھٹک کر رُک جانا پڑا۔ انسپکٹر جمشید بھی سُرنگ میں کھڑے نظر آئے:

"کیا بات ہے۔ آپ یہاں کیوں آ گئے؟"

"کوئی اس کمرے میں آ رہا تھا۔ میں فوراً اِدھر آ گیا۔"

"اوہ۔ پھر اس کے بعد؟"

"اس کے بعد میں نے اندر جانے کی کوشش کی، لیکن سُرنگ کا دروازہ دُوسری طرف سے بند کر دیا گیا ہے۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے۔ ہمیں اس تہ خانے اور

سُرنگ میں قید کر دیا گیا ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں، ابھی ہمارے ساتھی باہر موجود ہیں۔" وہ مسکرا دیے۔

"لیکن اب وہ یہاں کس طرح آ سکیں گے؟"

"کیوں۔ آنے کو کیا ہے۔"

"دونوں طرف کے لوگ ہوشیار ہو گئے ہیں۔"

"ہوں! اب ان کی کوشش، پتا ہے، کیا ہو گی۔ یہ کہ میں آگ کے الاؤ سے گزرنے والے مقابلے میں نہ پہنچ سکوں۔"

"اُف مالک۔ اگر ایسا ہوا تو ہم تو کہیں کے نہیں رہیں گے۔"

"اللہ کو یاد کرو۔ اور چاقو مجھے دو۔"

چاقو لے کر وہ سرنگ والے دروازے پر آئے، دروازہ لوہے کا تھا۔ اس چاقو کی مدد سے اس کو کاٹا جا سکتا تھا، لیکن جُونہی اس میں سوراخ ہوتا، دوسری طرف سے گولی ادھر آ سکتی تھی، لیکن اس کے باوجود انھوں نے چاقو کی مدد سے دروازے میں ایک باریک سا سوراخ بنایا۔ تاکہ دوسری طرف کا جائزہ لے سکیں۔ انھوں نے دیکھا۔ اس کمرے میں

قریباً دس کلاشن کوفوں والے بیٹھے تھے۔

اب وہ دُوسری طرف آئے اور تہ خانے کے دروازے پر پہنچے۔ تہ خانے کے دروازے میں سوراخ کیا۔ خلیفہ کا کمرہ بھی لوگوں سے بھرا نظر آیا۔

وہ وہاں سے بھی لوٹ آئے:

"یہ لوگ جاگ کس طرح گئے؟" فاروق بڑبڑایا۔

"میں اسی بات پر تو غور کر رہا ہوں۔ فاروق۔ کیا تم خوف محسوس کر رہے ہو؟" انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

"نہیں تو ابا جان۔ آپ نے یہ کیوں پوچھا۔"

"کیا تم گھبراہٹ محسوس کر رہے ہو؟"

"جی نہیں۔ میں پُرسکون ہوں۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔" وہ مسکرائے۔

"ویسے آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"یہ کہ نہتے آ کر ہم نے غلطی کی۔ اگر ہمارے پاس اس وقت دو پستول ہوتے تو ہم بہت کچھ کر سکتے تھے۔"

"افسوس!" وہ بولا۔

"ایسے میں فرزانہ بھی ساتھ نہیں ہے۔"

"جب ہم ان تک نہیں پہنچیں گے تو وہ بھی اندر

آئیں گے۔"

"لیکن کاش۔ وہ عقل استعمال کر کے اندر آئیں۔" انسپکٹر
جمشید نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"آپ کے لہجے میں حسرت؟"

"یہ حسرت صرف اس وجہ سے ہے کہ کہیں میں اس
مقابلے کے میدان میں نہ پہنچ سکا۔ تو کیا ہوگا۔ لوگ بابا
جی کے گن گائیں گے۔ اور اپنے اللہ سے مزید دور ہو
جائیں گے۔"

"آپ ہی نے تو کہا تھا۔ اپنے اللہ کو یاد کریں۔
آپ بھی اسی کو یاد کریں نا۔"

"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔"

وہ تہ خانے کے فرش پر بیٹھ گئے۔ اور اللہ کو
یاد کرنے لگے۔ کافی دیر بعد انھوں نے تہ خانے کا
دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"اُف مالک۔ بہت دیر ہو گئی۔ وہ اتنی دیر تو نہیں
لگا سکتے تھے۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"مجھے تو محسوس ہو رہا ہے۔ وہ پھنس گئے۔" محمود بولا۔

"تب پھر۔ ہم بھی وہیں جائیں گے۔ ان کے ساتھ
ہم بھی پھنس جائیں گے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں اور کیا۔ یہ تو اب کرنا ہوگا۔"

"لیکن جانے سے پہلے ہمیں کچھ سوچ لینا چاہیے۔
ابا جان اور فاروق وہاں پھنس گئے۔ ہم جب ان کے
راستے پر چلتے ہوئے وہاں تک پہنچیں گے تو دشمن ہمیں
جانے دیں گے۔ روکیں گے نہیں۔ ہم ان تک پہنچ جائیں
گے، لیکن کوئی ایسی چیز تو ساتھ لے جائیں۔ جو وہاں
ہمارے کام آ سکے۔"

"بہت خوب فرزانہ۔ تم نے بہت اچھی بات کہی۔
ہمیں آبادی سے کچھ دور جا کر ایک کام کرنا ہوگا۔
صاف ظاہر ہے۔ وہ ہمیں کوئی ہتھیار تو لے جانے نہیں
دیں گے۔"

"بالکل ٹھیک انکل۔"

"تو پھر آؤ۔ جلدی کرو۔"

وہ آبادی سے دور ہٹ آئے۔ یہاں پروفیسر داؤد
نے اپنے بیگ میں سے کچھ چیزیں نکالیں۔ اور اپنے کام
میں مصروف ہو گئے۔ انھیں اس کام میں ایک گھنٹا لگ

گیا۔ پھر انھوں نے اس چیز کے مختلف حصے کر کے آپس
میں تقسیم کیے۔ وہ انھوں نے اپنے کپڑوں میں بنی خفیہ
جگھوں میں چھپائے۔ اور پھر چلنے کے لیے تیار ہو گئے:

"ویسے ہمیں اپنے ساتھ اسلحہ لے کر چلنا چاہیے، تاکہ
جب وہ ہماری تلاشی لیں تو انھیں اسلحہ مل جائے اور
وہ زیادہ باریک بینی سے تلاشی نہ لیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن انکل۔ اب تو اگر وہ باریک بینی
سے تلاشی لیں گے نا۔ تب بھی انھیں کچھ نہیں ملے گا۔"

"چلو خیر۔"

اور وہ خلیفہ کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے، دروازے
پر ہی انھیں روک لیا گیا اور کلاشن کوفیں ان کی طرف
اٹھ گئیں۔

"اپنے ساتھیوں کے پاس جانا چاہتے ہو؟" ہنس کر
کہا گیا۔

"ہاں! ان کے بغیر یہاں رہ کر کیا کریں گے۔"

"ہمیں اجازت دی گئی ہے کہ اگر تم لوگ وہاں جانا
چاہو تو جانے دیں، لیکن تلاشی دے کر جا سکو گے۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر تلاشی لینا ضروری ہے تو ہم
کیا کر سکتے ہیں۔"

ان کی تلاشی لی گئی اور جیبوں سے تمام چیزیں نکال
لی گئیں، لیکن وہ ان چیزوں تک نہ پہنچ سکے جو انھوں
نے خفیہ جگھوں میں چھپائی تھیں۔

چنانچہ انھیں اسی راستے تہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔
جس راستے سے انسپکٹر جمشید پہنچے تھے۔ انھیں دیکھ کر وہ
کھل اٹھے اور ساتھ ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے
کا اشارہ کیا، پھر بظاہر غمگین آواز میں بولے:

"تو تم لوگ بھی یہاں آ گئے؟"

"ہم بھی باہر رہ کر کیا کرتے۔"

"ہوں۔ خیر۔ کوئی بات نہیں۔ ہم نے ایک پروگرام
ترتیب دیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ مشرک لوگ اپنے بابا جی سے مدد مانگتے ہیں۔
ہم یہاں رہ کر اپنے اللہ سے مدد مانگیں گے اور اللہ کو
منظور ہوا تو مقابلے سے پہلے باہر پہنچ جائیں گے۔"

"بات ٹھیک ہے۔ ہم یہی کریں گے۔"

اب وہ سرنگ کی طرف بڑھے۔ سرنگ کے دہانے
پر بیٹھ کر وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، پھر
انسپکٹر جمشید نے جیب سے کاغذ قلم نکالا اور اس پر لکھا:

"آپ کچھ لے کر آئے ہیں یا نہیں؟"

"ہاں!" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"بہت خوب! ہم ابھی اسی طرح آرام سے بیٹھیں گے۔ اگر انھوں نے کھانا وغیرہ دیا تو یہ دو دن ہم تہ خانے میں ہی گزاریں گے اور اس وقت باہر نکلیں گے جب مقابلے کے لیے سب لوگ میدان کا رُخ کر چکے ہوں گے۔ اور اگر انھوں نے ہمیں کھانا نہ دیا تو آج ہی یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔"

"بہت خوب!" خان رحمان نے کہا۔

"لیکن۔ آپ لے کر کیا آئے ہیں؟"

"ایک عدد بم۔ جو اس پورے تہ خانے کو اڑا سکتا ہے۔ یا اس سرنگ کو یا اس دوسری طرف والے مکان کو۔"

"بہت خوب! یہ کام کیا ہے آپ نے۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو گئے۔

اور پھر انھوں نے کئی گھنٹے تک انتظار کیا۔ یہاں تک کہ ان کے خیال کے مطابق دُوسرے دن کی صبح ہو گئی۔ لیکن ان کے لیے کھانا نہ بھیجا گیا۔

"ثابت ہو گیا۔ یہ لوگ ہمیں بھوکوں مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ ہمیں کچھ بھی نہیں دیں گے۔ اس طرح ہماری

طاقت ختم ہوتی چلی جائے گی۔ لہٰذا دیر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بم کام میں لے آنا چاہیے۔"

"اچھی بات ہے۔"

پروفیسر داؤد اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ انھوں نے بم کے حصّوں کو ایک جگہ جمع کیا، پھر پوچھا:

"کس طرف والی عمارت کو اڑایا جائے؟"

"خلیفہ کی عمارت کو ہی اڑا دیں۔ لیکن یہ سوچ لیں، ملبہ ہمارے اُوپر تو نہیں آگرے گا۔"

"نہیں۔ ہم تو سُرنگ میں ہوں گے۔" وہ بولے۔

"بہت خوب!" انسپکٹر جمشید خوش ہو گئے۔

انھوں نے اپنا کام جلدی جلدی کرنا شروع کر دیا، جلد ہی وُہ بم فٹ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر وُہ سب سُرنگ میں آ کر بیٹھ گئے۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد ایک بہت خوف ناک دھماکا ہوا۔ زمین لرز کر رہ گئی۔ اور جب ذرا سکون محسوس ہوا، وُہ اٹھ کر تہ خانے کی طرف آئے۔

تہ خانے کی جگہ اب آسمان نظر آ رہا تھا۔ کوٹھی کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ اور دُور دُور سے لوگ اس طرف دوڑے آ رہے تھے۔

"ہمیں ان کی بھیڑ سے نکل کر اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ہے۔"
پروفیسر داؤد بولے۔

"نہیں پروفیسر صاحب - اب ہم وہاں نہیں جائیں گے - دشمن ہمیں وہاں بھی ختم کرنے کے لیے آ جائیں گے - مقابلے کی گھڑی تک ہمیں خود کو چھپاتے رکھنا ہے - لہٰذا ہم سڑک پر اس جگہ چلیں گے - جہاں ہماری کار خراب ہوئی تھی - میرا مطلب ہے - اس جگہ سے کچھ دُور - جہاں تک کار چلتی رہی تھی۔"

"جیسے تمھاری مرضی۔"

افراتفری میں کسی نے ان کی طرف توجہ نہ دی - یہاں تک کہ وہ آبادی سے بھی نکل آئے - لوگ اب تک دھماکے کی طرف جا رہے تھے -

آخر وہ سڑک پر پہنچ گئے - انھوں نے دیکھا، وہاں ایک کار رُکی کھڑی تھی - اور آگے نہیں بڑھ رہی تھی - وہ چٹان کے پیچھے چھپ گئے - جلد ہی انھیں آبادی کی طرف سے وُہی گڈریا آتا نظر آیا وہ اس کار والے کے پاس جا کر رک گیا - اور اس سے وُہی باتیں کرنے لگا - جو ان سے کی تھیں - انھی کی طرح وہ شخص بھی ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گیا، لیکن

ایسے میں وہ ان کے راستے میں آ گئے - گڈریا انھیں دیکھ کر چونکا:

"تت - تت - تم لوگ؟"

"ہاں! ہم۔"

"لیکن تم لوگوں کے بارے میں تو سُنا ہے - ملبے تلے آ کر مر چکے ہیں - اُف - کتنا خوف ناک دھماکا تھا - لوگ کہ رہے ہیں - تم لوگوں کو باباجی نے ہلاک کر ڈالا۔"

"لوگوں کی بات چھوڑ - اپنی کرو - تم کیا کہتے ہو؟" فاروق بولا۔

"مم - میں - میں تو تم لوگوں کو زندہ سلامت دیکھ رہا ہوں - لیکن - یہ کیسے ممکن ہے۔"

"اب تمھارے باباجی کہاں گئے؟"

"مم - میں - میں کیا کہ سکتا ہوں۔"

"کیا چکر ہے جناب۔" کار والا بولا۔

"لوگوں کو بھٹکانے کا چکر۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

انھوں نے مختصر الفاظ میں سارے چکر کی تفصیل سُنا دی - اور بولے:

"اب آپ جائیں گے تو آپ بھی نیچے جا کر بابا جی کے مُریدوں میں شامل ہو جائیں گے اور اپنا ایمان گنوا بیٹھیں گے اور دولت بھی۔"

"نن ۔ نہیں۔" اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"لیکن اب آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ۔ ہم نے آپ کو روک تو لیا ہے۔"

"لیکن کار آگے کس طرح جائے گی؟"

"آپ کو تھوڑا سا چکر کاٹنا ہو گا ۔ آپ کار پیچھے لے جائیں اور ایک اور سڑک دریا کے ساتھ ساتھ گزر رہی ہے ۔ اس پر چلے جائیں ۔ آپ کے چند گھنٹے تو ضائع ہوں گے ۔ لیکن اس چکر سے بچ جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھی بات ہے ۔ میں یہی کروں گا۔"

اور انھوں نے اسے کار واپس لے جانے میں مدد دی ۔ اس دوران خان رحمان گڈریے کو پکڑے کھڑے رہے ۔ وہ ہاتھ چھڑانے کے لیے زور لگاتا رہا ، لیکن چھڑا نہ سکا۔

"یار تم ہو تو گڈریے ، لیکن تمھاری بھیڑیں تو یہاں نظر نہیں آتیں۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"لوگ اپنی گاڑی کے چکر میں اس سے یہ پوچھنا بھول جاتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ، پھر سرد آواز میں بولے :

"ہاں مسٹر ۔ اب بتاؤ ۔ اس سارے چکر کی پشت پر کون ہے ؟"

"جی ۔ کیا مطلب؟"

گڈریا بُری طرح اُچھلا۔

جیت کا دِن

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا

"چلو صرف اتنا بتا دو — یہ سب کچھ کس کی ہدایات پر کرتے ہو؟"

"خلیفہ جی کی۔"

"یہاں پر کاریں اور دوسری گاڑیاں کیوں رُک جاتی ہیں؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"اس قبر میں کون دفن ہے؟"

"سچ بات یہی ہے کہ میں ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں جانتا، آپ یقین کریں۔"

"ہمیں یقین ہے — تم سچ کہہ رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب — آپ کو کس طرح یقین ہے؟"

"بس ہے یقین — ہم آدمی کا چہرہ پڑھنے کا کچھ

تھوڑا بہت تجربہ رکھتے ہیں — اور تم اس وقت جھوٹ نہیں بول رہے — یہ بات ہمیں تمہارا چہرہ بتا رہا ہے — کیا سمجھے؟"

"ج ج — جی — سمجھ گیا۔"

"آگ میں سے گزرنے کے سلسلے میں خلیفہ کیا چکر چلائے گا؟"

"اس بارے میں اس نے ایک سائنس دان کی خدمات حاصل کی ہیں۔"

"اوہ — اور وہ سائنس دان کون ہے؟"

"مجھے یہ بھی معلوم نہیں۔"

"کیا کسی دوسرے شہر سے کوئی سائنس دان بلوایا گیا ہے؟"

"ظاہر ہے — یہاں تو کوئی سائنس دان نہیں رہتا۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"تم بھول رہے ہو — کیا یہاں رونو دادا نہیں رہتا۔" انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

"ارے وہ — پاگل — وہ اور سائنس دان — کیا باتیں کر رہے ہیں جناب۔"

"اس کی کوٹھی میں ہم نے سائنس کا سامان دیکھا تھا۔"

"وہ تو اوٹ پٹانگ قسم کے تجربات کرتے رہنے کا عادی ہے — اور یہ بات ساری وادی جانتی ہے۔"

"ہوں۔ خیر۔ تم جا سکتے ہو۔"

"کیا کہا۔ میں جا سکتا ہوں؟"

"ہاں اور کیا۔ ہم تمھارا اچار ڈالیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن میں وہاں جا کر آپ کے بارے میں بتا دوں گا۔"

"ضرور بتا دینا۔ ہم ان لوگوں کو کچھ نہیں سمجھتے۔ لیکن اگر تم مقابلے کے وقت تک خاموشی اختیار کیے رکھو تو یہ زیادہ بہتر رہے گا۔ اس طرح یہ دو دن ہم سکون سے گزار سکیں گے اور ہاں ہمیں کھانے پینے کی کچھ چیزوں کی بھی ضرورت ہے۔ آخر دو دن ہم بھوکے پیاسے کس طرح رہیں گے۔"

"صاف پانی کا ایک چشمہ یہاں موجود ہے۔ کچھ خشک چیزیں میں آپ لوگوں کو پہنچا دوں گا۔ اور میں آپ کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"آخر کیوں بھئی۔ تم بدل کس طرح گئے؟"

"آپ نے میرے بارے میں یہ اندازہ لگا لیا کہ میں سچ بول رہا ہوں۔ خلیفہ جی تو ہمیشہ مجھے جھوٹا آدمی کہتے رہتے ہیں۔ حالانکہ میں دن رات ان کے لیے کام کرتا رہتا ہوں۔ ان کی خدمات بجا لاتا ہوں۔ اور ان سے مجھے کوئی خاص فائدہ بھی نہیں پہنچتا۔ بس

میں تو اس ڈر کی وجہ سے ان کا حکم مانتا ہوں کہ بابا جی کے خلیفہ ہیں۔ کہیں جلال میں آ کر بھسم نہ کر دیں۔"

"ہوں! تم ان پر یا کسی اور پر کچھ بھی ظاہر نہ ہونے دینا۔ وادی میں ضرور ہماری موت کی خبر مشہور ہو چکی ہو گی۔ لیکن۔ خلیفہ یہ بھی خیال ظاہر کرے گا کہ ہم کہیں چھپے ہوئے ہیں اور عین مقابلے کے وقت آئیں گے۔ لیکن خیال وہ یہی کرے گا کہ ہم مر چکے ہیں۔ لہٰذا عین وقت پر ڈراما کرے گا کہ ہم آگ میں جلنے کے خوف سے نہیں آئے۔ اس لیے تم اسے کچھ نہ بتانا۔"

"بہت بہتر!" اس نے کہا اور چلا گیا۔

رات کے وقت انسپکٹر جمشید نے ان تینوں سے کہا:

"تم جاؤ۔ اور خلیفہ کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہو، لیکن وہ تمھیں دیکھنے نہ پائے۔"

"اور کیا صبح ہونے پر ہم یہاں آ جائیں؟"

"بالکل۔" وہ بولے۔

کھانے پینے کی چیزیں گڈریا انھیں دے گیا تھا۔ ان میں سے ایک دو چیزیں انھوں نے لے لیں اور

وادی کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ہی تھے کہ چند
آوازیں فرزانہ کے کان میں پڑیں۔ اس نے ہونٹوں پر
ہاتھ رکھ کر انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور
پھر آواز کی سمت میں ان کے قدم اٹھنے لگے۔
جلد ہی انھیں ایک چٹان کی اوٹ میں دو سائے
بات چیت کرتے نظر آئے۔ وہ ان کے اور نزدیک
ہوگئے۔ تاریکی کی وجہ سے وہ انھیں پہچان تو نہیں
سکے، لیکن ایک کی آواز ضرور پہچان گئے۔ آواز خلیفہ
کی تھی:

"میں تو یہی خیال کرتا ہوں۔ وہ بھاگ نکلے۔ اور
اب نہیں آئیں گے باس"۔

باس کے لفظ پر وہ چونکے۔

"بے وقوف نہ بنو۔ وہ یہیں کہیں چھپے ہوں گے،
انھیں تلاش کرکے جلد از جلد ختم کر دو۔ ورنہ وہ ہم
لوگوں کے لیے بہت خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ گدھے
کہیں کے۔ وہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ہیں۔ اور باقی
دو ان کے دوست ہیں"۔

"ارے باپ رے۔ یہ وہ انسپکٹر جمشید ہیں"۔

"ہاں"! باس کی آواز سنائی دی۔

"تب میں انھیں نہیں چھوڑوں گا۔ اس مقابلے سے
پہلے پہلے انھیں تلاش کروا کے ختم کرا دوں گا"۔

"آج رات ٹھیک ایک بجے۔ تم ہوٹل جالوت کے
کمرے میں آ جانا۔ میں تمھیں وہاں خاص قسم کی
ہدایات دوں گا اور اس مقابلے میں جیتنے کا نسخہ
بھی بتاؤں گا"۔

"شکریہ باس"!

"اور ہاں! حساب کتاب کے کاغذات لانا نہ بھولنا"۔

"پہلے کبھی بھولا ہوں باس۔ کہ اب بھولوں گا"۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ"۔

خلیفہ کا سایہ جاتا نظر آیا۔ دوسرا وہیں کھڑا رہ
گیا۔ ان کے دل میں خواہش جاگی کہ کسی طرح اس
کے نزدیک جا کر چہرہ دیکھ لیں۔ وہ نزدیک ہوتے چلے
گئے، لیکن یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ وہ سر سے
لے کر پیر تک سیاہ لباس میں تھا۔

اچانک وہ ان کی طرف مڑا، لیکن اس سے پہلے
ہی وہ نیچے بیٹھ کر دبک چکے تھے۔

"کمال ہے۔ میں نے محسوس کیا تھا۔ یہاں کوئی
موجود ہے۔ لیکن یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ وہاں سے ایک سمت میں چل پڑا۔ محمود آگے بڑھنے کو ہوا تو فرزانہ نے اسے روک لیا اور جب سیاہ پوش کافی دُور نکل گیا تو اس نے سرگوشی کی:

"اس وقت تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں۔ رات کے ایک بجے یہ ہوٹل میں موجود ہی ہوگا۔ یہ حد درجے خطرناک محسوس ہو رہا ہے مجھے۔ دیکھ نہیں رہے۔ کس طرح اچانک مڑا تھا۔ ہماری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید یہ دیکھ لیتا۔"

"ہوں! تم ٹھیک کہتی ہو۔"

ٹھیک ایک بجے وُہ ہوٹل جالوت کے باہر موجود تھے، دن میں اس ہوٹل کو دیکھ چکے تھے۔ اور پھر انھوں نے تاریکی کے لبادے میں خلیفہ کو آتے دیکھا۔ وہ نہایت خاموشی سے ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ دروازے کھلے تھے۔ غالباً وہاں ٹھہرنے والوں کے آنے جانے کے لیے دروازے بند نہیں کیے جاتے تھے۔ وہ اس کے پیچھے لگ گئے۔ یہاں تک کہ وہ ایک کمرے میں داخل ہوگیا۔

تینوں کمرے کے باہر رہ گئے۔ خلیفہ نے اندر

داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر لیا اور انھوں نے چٹخنی لگنے کی آواز سُنی۔ پھر اندر باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ فرزانہ نے تالے کے سوراخ میں سے اندر جھانکا۔ باس ابھی تک اسی سیاہ لباس میں تھا۔ اس کا چہرہ اگرچہ دروازے کی طرف تھا۔ لیکن اس سیاہ لباس کی وجہ سے وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وُہ باری باری سوراخ سے آنکھ لگانے لگے اور اندر ہونے والی بات چیت سُننے لگے۔ باس نے میز پر اُنگلیاں مار کر کہا:

"پہلے حساب کتاب ہو جائے خلیفہ۔"

"او کے باس۔"

وُہ حساب کتاب میں اُلجھ گئے۔ لاکھوں کی باتیں ہو رہی تھیں۔ باس کے حصّے کے لاکھوں روپے اس ماہ خلیفہ نے باس کے اکاؤنٹ میں جمع کرائے تھے۔ بنک بھی دادی کا نہیں، دارالحکومت کا۔ اور اسی طرح اپنے حصّے کی رقم بھی اس نے اسی بنک میں جمع کرائی تھی۔ اور یہ ان کا ہر ماہ کا معمول تھا۔ حساب کتاب سے مطمئن ہو کر باس نے کہا:

"اب آتے ہیں موجودہ مسئلے کی طرف۔ میں نے تمہارے لیے یہ لباس تیار کیا ہے۔ اس کو پہن کر تم بے خوف

ہو کر آگ میں کود جانا — آگ تمھیں چھوئے گی بھی نہیں اور انسپکٹر جمشید جل کر راکھ ہو جائے گا۔"

"لیکن باس — اس کے ساتھ بھی پروفیسر داؤد ہیں — مُلک کے مانے ہوئے سائنس دان — وُہ بھی تو اسے لباس بنا کر دے دیں گے۔"

"ضرور دے سکتے ہیں، لیکن اس بات کو انسپکٹر جمشید ہرگز منظور نہیں کرے گا — وُہ اپنے اللہ پر بھروسا کر کے آگ میں کُودے گا۔"

"آپ یہ بات اتنے یقین سے کس طرح کہ سکتے ہیں؟"

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"چلیے پھر ٹھیک ہے — وُہ جل کر کوئلہ ہو جائے گا اور میں بچ کر صاف نکل جاؤں گا۔"

"یہی ہو گا — اب بس — تم جا سکتے ہو۔"

"او کے باس۔"

وُہ ایک طرف ہٹ گئے — اس کے چلے جانے کے کچھ دیر بعد باس بھی نکلا اور پیدل ایک سمت میں چل پڑا — جلد ہی وُہ بھی تاریکی میں گم ہو گیا — وہ چاہتے تو اسے پکڑ سکتے تھے، لیکن مُقابلے سے پہلے وُہ کارروائی نہیں کرنا چاہتے تھے —

اور پھر وُہ صبح سویرے واپس جنگل میں آ گئے — تینوں ساتھی جاگ رہے تھے، یُوں لگتا تھا، جیسے انھوں نے رات بھر پلک تک نہ جھپکی ہو —

"آپ تینوں کیوں جاگتے رہے — باری باری سو سکتے تھے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"میں نے ان دونوں سے کہا تھا کہ یہ سو جائیں — میں دن میں سو لوں گا — لیکن یہ نہیں مانے — کہتے رہے — تمھارے ساتھ ہی سوئیں گے، تمھارے ساتھ ہی جاگیں گے۔"

"تب پھر آپ اب سو جائیں — ہم جاگ کر پہرہ دیں گے۔" محمود نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے — تمھیں بھی تو جاگتے ہوئے ساری رات گزر گئی — پہلے تم رپورٹ سناؤ — پھر تم سو جانا — میں جاگوں گا — اس لیے کہ میں اس کا عادی ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

انھیں ایسا ہی کرنا پڑا — پہلے تینوں نے مکمّل رپورٹ پیش کی، پھر محمود نے کہا:

"ویسے ہم جان چکے ہیں — باس کون ہے۔"

"یہ تو میں بہت پہلے جان چکا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ۔ تو آپ ہم سے پہلے ہی اندازہ لگا چکے ہیں۔"
محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! لیکن ابھی میں بتاؤں گا نہیں۔ ویسے میں مُجرم کا نام لکھ کر جیب میں رکھ لیتا ہوں۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔"

"اچھی بات ہے۔"

انھوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ سو گئے۔ انسپکٹر جمشید جاگتے رہے۔ جب وُہ نیند پوری کر چکے اور اچھی طرح بیدار ہو گئے تو انھوں نے اپنے پاس آٹھ دس لاشیں دیکھیں:

"ارے! یہ کیا ہوا؟"

"ہمیں تلاش کرتے ہوئے اس طرف آئے تھے۔ اگر میں انھیں ہلاک نہ کرتا تو یہ ہمیں ہلاک کر دیتے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

پھر انھوں نے انسپکٹر جمشید کو سونے کی مہلت دی۔ اس طرح جب وُہ نیند پوری کر کے فارغ ہوئے تو وہاں کچھ اور لاشوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔

"اوہ۔ تو کچھ اور لوگ بھی آئے تھے تلاش میں۔"

"جی ہاں! وہ ہمیں ہر حال میں تلاش کر کے ہلاک کر دینا چاہتے ہیں۔ تاکہ نہ بجے بانس نہ رہے بانسری۔" فارُوق

نے جلدی جلدی کہا۔

"بھئی واہ۔ نہ بجے بانس۔ نہ رہے بانسری۔ اس محاورے کی بھی کیا بات ہے۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"اوہ! معاف کیجیے گا انکل۔ اُلٹ کہہ گیا۔" فاروق نے شرما کر کہا۔

"اب ہم یہ جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ تاکہ زیادہ لوگوں کو ٹھکانے نہ لگانا پڑے۔"

"ایک بات اور۔ خلیفہ کی کوٹھی کو ہم نے بم سے اڑا دیا، لیکن وہ صحیح سلامت پھر رہا ہے۔ کیا اس کے گھر والے بھی اس حادثے میں ہلاک نہیں ہوئے؟"

"نہیں ہوئے ہوں گے، تبھی اس طرح پھر رہا ہے۔ گھر کے افراد اس وقت باہر ہوں گے۔ کہیں گئے ہوئے ہوں گے اور خود وُہ تو زیادہ تر مزار کے آس پاس رہتا ہے۔ کمائی جو سمیٹنا ہوتی ہے۔ نوٹوں کے تھیلے بھر بھر کے جاتے ہیں یہ لوگ۔" انسپکٹر جمشید نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"یہ کاروبار ہمارے ملک میں کچھ زیادہ ہی پھیلتا جا رہا ہے۔ قبروں کی کمائی کھانے والے روز بروز زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ حکومتی سطح پر اس کا کوئی علاج ہونا چاہیے، اس کیس سے فارغ ہو کر ہم ضرور صدر صاحب سے بات

کریں گے۔"

"لیکن ابا جان! اس کیس سے فارغ ہو کر ہم آگے جائیں گے۔ سیر کے مقام تک۔"

"ہاں! وہ تو ہے ہی۔ میرا مطلب ہے، واپسی پر۔"

اور پھر انھوں نے وہ جگہ چھوڑ دی۔ دوسرے دن رات کو انسپکٹر جمشید نے انھیں وہاں چھوڑا اور خود وادی میں چلے گئے۔ کئی گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی۔ ان کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا:

"اس میں کیا ہے ابا جان؟"

"خلیفہ کے باس نے جو لباس اسے دیا۔ یہ وہ ہے۔"

"اوہ! یہ آپ کو کہاں سے مل گیا؟"

"وادی میں جا کر یہ معلوم کرنا کچھ مشکل کام نہیں تھا کہ خلیفہ جی اب کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس نے ہوٹل جالوت کے کئی کمروں پر قبضہ جما رکھا ہے۔ گھر والوں سمیت وہاں رہ رہا ہے اور جب تک اس کی کوٹھی دوبارہ نہیں بن جاتی۔ وہ وہیں رہے گا۔ ہوٹل کے مالکان اس سے کرایہ تک مانگنے کی جرأت نہیں کرتے۔ بس میں نے ریڈی میڈ میک اپ کا سہارا لیا اور اس ہوٹل میں پائپ کے ذریعے پہنچ گیا۔ وہ سب بے سدھ سو رہے

تھے۔ بچی کھچی کسر کلوروفارم نے پوری کر دی۔ انھیں بے ہوش کر کے میں یہ لباس نکال لایا، لیکن صبح اُٹھنے پر وہ کوئی تبدیلی محسوس نہیں کر سکیں گے۔ بس زیادہ سے زیادہ یہ محسوس کریں گے کہ رات انھیں بہت گہری نیند آئی تھی۔"

"بہت خوب! تمھارا بھی جواب نہیں جمشید۔ عین وقت پر جب وہ پہننے کے لیے لباس نکالے گا اور نہیں ملے گا تو کتنا مزا آئے گا۔ میں تو کہتا ہوں جمشید۔ یہ لباس تم پہن کر میدان میں اترنا۔" پروفیسر داؤد نے ہنس کر کہا۔

"نہیں پروفیسر صاحب۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ میں صرف اور صرف اللہ پر بھروسا کر کے آگ میں قدم رکھوں گا۔" وہ بولے۔

"جیسے تمھاری مرضی۔"

"نہ جانے کیا بات۔ مجھے بالکل ڈر نہیں لگ رہا۔"

"تب پھر ٹھیک ہے۔" پروفیسر داؤد نے مطمئن ہو کر کہا۔

"لیکن ہم اس لباس کا کیا کریں؟"

"اس کو ضائع کر دیتے ہیں۔" محمود بولا۔

انھوں نے چاقو کی مدد سے لباس کاٹ کاٹ کر ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھیر دیے، ہوا انھیں اور دور لے گئی۔

اور پھر مقابلے کا دن آ پہنچا۔ سب لوگ میدان

کا رُخ کرنے لگے — میدان کے بیچوں بیچ لکڑیوں کا
بہت بڑا ڈھیر جمع کر دیا گیا تھا اور اسے آگ دکھا دی
گئی تھی — اب وہ ڈھیر آگ ہی آگ نظر آ رہا تھا — اور
بہت دُور سے اس کی حرارت محسوس ہو رہی تھی — اس
کے چاروں طرف لوگ جمع ہو رہے تھے — آخر خلیفہ
اپنے بے شمار ساتھیوں کے ساتھ آتا نظر آیا — وہ لوگ اس
کے حق میں بلند آواز میں نعرے لگا رہے تھے :

"جیت ہو گی بابا جی کی — جیت ہو گی خلیفہ جی کی۔"

پھر میدان میں الاؤ سے کچھ دُور ایک تخت رکھا گیا،
اس پر خلیفہ کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں تقریر کرنے لگا :

"دوستو ! آج ہماری جیت کا دن ہے — بابا جی
کی جیت کا دن — آج وادی کے لوگوں کو پتا چل
جائے گا کہ کون سچا ہے کون جھوٹا — لیکن — وُہ
لوگ تو نظر ہی نہیں آ رہے — تین دن سے ان
کا کوئی پتا نہیں — نہ جانے وہ کہاں چھپ گئے
ہیں یا کہاں فرار ہو گئے ہیں — موت کا خوف
شاید انھیں یہاں سے بہت دُور لے گیا ہے —
وہ آئیں یا نہ آئیں — میں الاؤ میں سے گزر کر ضرور
دکھاؤں گا۔"

اس کے اس اعلان پر لوگوں نے پُر جوش انداز میں
تالیاں بجائیں — بہت دیر تک تالیاں بجتی رہیں — جب رُکیں
تو اس نے پھر کہنا شروع کیا :

"اس خوشی کے موقعے کے لیے میں نے ایک لباس بنوایا
ہے — تاکہ وہ اس موقعے کا خاص لباس بن جائے — ہم
ہر سال اس دن کی یاد منایا کریں گے ، اپنی فتح کا جشن منایا
کریں گے — اور اس موقعے پر میں وُہی لباس پہنا کروں
گا — آپ کو میری یہ بات پسند آئی یا نہیں ؟"

"بہت زیادہ۔" شور گونجا۔

"جاؤ میرے چیلو — وُہ لباس لے آؤ — جلدی کرو۔"

"ہم ابھی دس منٹ میں لباس لے آتے ہیں۔"

"اور وہ بزدل تو اب تک ..."

"خبردار ! ہمیں بزدل نہ کہنا۔"

ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز گونج اُٹھی — سب
کے سب اس طرف گھوم گئے — وُہ مجمعے کو چیرتے ہوئے
آگے آ رہے تھے — آواز سن کر لوگوں نے انھیں راستا
دے دیا —

"جاؤ — میرا لباس لاؤ — یہ مقابلہ ہو کر رہے گا — آج
یہ جل کر راکھ ہو جائے گا اور پھر ہم اس کے باقی

ساتھیوں کو بھی آگ میں ڈال دیں گے ۔ تاکہ پھر کوئی اس وادی میں آ کر ایسی جرأت نہ کرے ۔ ہم یہ ساری کہانی ان پتھروں پر کندہ بھی کریں گے ۔ تاکہ باہر سے آنے والے اس کہانی کو پڑھ کر سبق حاصل کرتے رہیں ۔"

"بہت خوب ۔ بہت شان دار پروگرام ہے ۔" لوگوں نے تالیاں بجا کر کہا۔

"ہاں ! آج کا دن یادگار دن رہے گا ۔ ہم اس وادی میں ایک تاریخ لکھ کر جائیں گے ۔ مورخ یہاں کی داستان کتابوں میں لکھیں گے ۔ ہم لوگوں کو بت پرستی سے نجات دلا دیں گے آج ۔ اور ایک اللہ کی عبادت پر لگا دیں گے ۔"

"ہم تو پہلے ہی اللہ کو مانتے ہیں ، لیکن اس نے اپنے تمام اختیارات بابا جی کو سونپ دیے ہیں ۔"

"ایسا نہیں ہے ۔ اور اس سچ اور جھوٹ کا فیصلہ آج ہو جائے گا ۔ اگر اللہ نے اپنے تمام اختیارات بابا جی کو سونپ دیے ہیں تو بابا جی اپنی قبر کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیں گے کسی کو ۔ اس مقابلے کے بعد میں اس قبر کو اکھاڑ پھینکوں گا اور دکھاؤں گا کہ اندر کیا ہے ۔"

"ایسا نہیں ہو گا ۔"

"خیر ۔ اب مقابلہ شروع کیا جائے ۔ میں آگ میں سے گزرنے کے لیے تیار ہوں ۔"

"اور میں بھی ۔ میں نے اس موقعے پر پہننے کے لیے لباس تیار کرایا ہے ۔ میرے آدمی وہ لباس لینے گئے ہیں ۔ بس چند منٹ ۔"

"ضرور ۔ کیوں نہیں ۔ لیکن آپ وہ لباس بعد میں پہن لیجیے گا ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"نہیں ۔ پہلے پہنوں گا ۔ تم چاہو تو تم بھی کوئی لباس پہن لو ۔"

"میں انھی کپڑوں میں ٹھیک ہوں ۔"

جلد ہی اس کے آدمی دوڑتے ہوئے آئے ، ان کے چہروں پر خوف ہی خوف تھا :

"خلیفہ جی ۔ لباس وہاں نہیں ہے ۔ وہاں سے غائب ہے ۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیا کہا ۔ لباس غائب ہے ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟"

"ہم نے ہر طرف تلاش کر لیا ۔ جس جگہ آپ نے رکھا تھا ، وہاں ہرگز نہیں ہے ۔ اور بھی تمام جگھوں پر دیکھ چکے ہیں ۔"

"تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے ۔ ٹھیک سے

دیکھ کر نہیں آئے — افراتفری میں یونہی آ گئے — ٹھہرو —
میں خود لے کر آتا ہوں۔"

"ایک منٹ خلیفہ صاحب — اتنے بہت سے لوگ آپ
کے انتظار میں ہیں — اور اب آپ لباس لینے جائیں گے،
یہ کیا ٹھیک ہوئی — آپ پہلے مقابلہ جیت لیں — پھر لباس
لے آئیے گا اور سب کو دکھا دیجیے گا کہ آپ ہر سال
یہ لباس پہنا کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"نن — نہیں — نہیں۔" اس نے چیخ کر کہا اور پھر دوڑ
لگا دی —

"رک جائیے — خلیفہ جی رک جائیے — لباس کا کیا ہے،
وہ تو بعد میں بنتا رہے گا۔"

لیکن خلیفہ جی کہاں رکنے والے تھے —

"محمود، فاروق، فرزانہ — تم اس کا تعاقب کرو — کہیں
یہ اس باس سے فوری طور پر دوسرا لباس نہ بنوا کر
لے آئے — اگر ایسا کرے تو وہیں ٹھہرنا — ایک میرے
پاس دوڑ آنا۔"

"او کے ابا جان۔"

انھوں نے بھی دوڑ لگا دی —

"دیکھا صاحبان — آپ کے خلیفہ بھاگ گئے — دراصل

انھوں نے ایسا لباس بنوایا تھا — جس کو آگ نہیں چھوتی۔"

"نہیں — یہ غلط ہے۔"

"اگر یہ غلط ہے تو اپنے خلیفہ سے کہیں — بغیر لباس
کے — میرا مطلب ہے — جو لباس جسم پر ہے — اس کے
ساتھ آگ میں سے گزر کر دکھائے۔"

"تب پھر تم نے بھی ایسا لباس بنوایا ہوگا۔" کئی
آدمی چلائے۔

"میں اس لباس کو اتار دیتا ہوں — آپ مجھے کوئی
اور دے دیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

لوگ ادھر ادھر دیکھنے لگے — بہت دیر گزر گئی — لیکن خلیفہ
واپس نہ آیا۔

"آپ کا خلیفہ جھوٹا تھا — بابا جی جھوٹے ہیں — بلکہ
اس قبر میں کوئی بزرگ دفن نہیں ہیں — اگر کوئی بزرگ
دفن ہیں تو بھی ان کے اختیارات کچھ نہیں — اور اگر
ان کے اختیارات مانتے ہیں تو پھر اپنے بابا جی کو
پکاریں اور ان سے کہیں — اپنے خلیفہ کے لباس کے بارے
میں اپنے خلیفہ کو اطلاع دے کہ کہاں ہے — یا اپنے
خلیفہ سے کہیں — وہ مجھے جلا کر راکھ کر دے — ہاں —
اور ہم اپنے اللہ کو پکارتے ہیں۔"

انھوں نے اللہ کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ ادھر مجمعے
نے باباجی کو پکارنا شروع کر دیا۔ وہ کہہ رہے تھے:
"باباجی۔ اپنے خلیفہ کو بھیجیے۔ ان کا باس مل جائے
اور وہ یہ مقابلہ کر کے دکھائیں۔"
ادھر وہ دعا کر رہے تھے:
"اے مالک۔ اے ربِ رحیم۔ ہماری مدد کر۔ جس
طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے محفوظ
رکھا، اس طرح اس وقت اپنے دین کے غلبے کی خاطر
ہماری مدد کر۔"
دعائیں ہوتی رہیں۔ خلیفہ لوٹ کر نہ آیا:
"خلیفہ نہیں آئے گا۔ جاؤ۔ تم اب اپنے خلیفہ کو
تلاش کر کے لاؤ۔ وہ جہاں بھی ملے۔ اسے پکڑ کر لے
آؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔ ہم جائیں گے اور خلیفہ
کو تلاش کر کے یہاں لائیں گے۔ زبردستی اسے آگ میں
سے گزاریں گے۔"
"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" لوگ چلّائے۔
اور پھر پوری وادی میں خلیفہ کی تلاش شروع ہو گئی۔
ایسے میں محمود ان کے پاس پہنچا اور کان میں بتا دیا

کہ خلیفہ کہاں چھپا ہے۔
ایک گھنٹے بعد لوگ پھر میدان میں جمع ہو گئے۔ ان
کے منہ لٹکے ہوئے تھے:
"وہ کہیں چھپ گیا ہے۔ وہ آگ سے ڈر گیا۔ اب
ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ وہ ڈراما کر رہا ہے۔ اس
کا آگ میں کودنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"
"ہاں! وہ جھوٹا تھا۔ اس نے اور اس کے باس
نے اس پوری وادی کے لوگوں کو اور یہاں سے گزرنے
والے لوگوں کو روکنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ وہ دونوں
ہاتھوں سے تم لوگوں کو لوٹ رہے تھے۔ اس قبر میں بھی
کوئی بزرگ دفن نہیں ہے۔ بے شک تم قبر کھود کر دیکھ لو۔"
"ہاں! ہم ایسا کریں گے۔"
اور قبر کھود ڈالی گئی۔ اندر سے کچھ بھی نہ نکلا۔
اب تو لوگ حیران رہ گئے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا:
"آؤ میرے ساتھ۔ میں بتاتا ہوں۔ خلیفہ کہاں ہے۔
اور اس کا باس کون ہے۔ اور یہ بھی دکھاؤں گا کہ انھوں
نے دارالحکومت کے بنک میں کتنی رقم جمع کر رکھی ہے۔
کروڑوں روپے۔ اور یہ بھی سن لو۔ سڑک پر گاڑیاں
باباجی کی کرامت سے نہیں رکتیں۔ ان پہاڑیوں میں

مقناطیسی اثر پیدا کیا گیا ہے — ایک بار جنگِ عظیم کے موقعے
پر جرمنی نے بھی اسی طرح پہاڑیوں میں مقناطیسی اثر پیدا
کر لیا تھا — اور اس کے مخالفوں کے جہاز اس جگہ گر
جاتے تھے — مقناطیسی کشش انھیں کھینچ لیتی تھی — یہاں
بھی معاملہ بالکل اسی طرح ہے۔"

"اوہ — نہیں نہیں۔"

"میں یہ بات ثابت کروں گا — چٹانوں میں مقناطیسی
کشش بھی ثابت کروں گا — خلیفہ کو چھپا ہوا بھی دکھاؤں
گا — بنک بیلنس بھی دکھاؤں گا — لیکن آپ لوگ شرک
سے توبہ کریں گے یا نہیں — ایک اللہ کو مانیں گے یا نہیں۔
اس اللہ کو جس نے آج خلیفہ اور اس کے بابا جی کو جھوٹا
ثابت کر دیا۔"

"ٹھیک ہے — ہم یہ باتیں تسلیم کرتے ہیں۔"

اب وہ انھیں لے کر ایک سمت میں روانہ ہو گئے —
یہاں تک کہ انھوں نے اونچائی پر بنے ایک مکان کو چاروں
طرف سے گھیر لیا —

"خلیفہ! اگر تم دس گننے تک باہر نہ نکلے — تو ہم اس
مکان کو آگ لگا دیں گے — جس آگ سے تم بچ کر بھاگے
ہو — وہی آگ تمھیں یہاں بھی جلا کر راکھ کر دے گی — یہ

سب لوگ تمھیں دیکھنا چاہتے ہیں — میں گننے لگا ہوں۔"

"ایک — دو — تین — چار — پانچ — چھے — سات — آٹھ — نو۔"

"ٹھہرو — میں آ رہا ہوں۔" اندر سے خلیفہ کی آواز
سنائی دی —

لوگ دھک سے رہ گئے —

"ساتھ میں اپنے باس کو بھی باہر لے آنا — ورنہ ہم
آگ لگائیں گے۔"

"ہاں ہاں!" مجمع چلایا —

"اچھا — میں اسے بھی ساتھ لا رہا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد خلیفہ باہر نکلا، اس کے ساتھ رونو دادا
نکلا — ان کے سر جھکے ہوئے تھے —

"اپنے شرک کا ڈراما ان لوگوں کو اپنی زبانی سناؤ — یہ
رونو دادا کیا سائنس دان ہے یا نہیں؟"

"ہاں!" خلیفہ نے روتی آواز میں کہا —

"اور کیا اس نے پہاڑیوں میں مقناطیسی کشش پیدا کر
رکھی ہے؟"

"ہاں!"

"کیا اس نے تمھیں کوئی لباس بھی تیار کر کے دیا تھا،
جس کو پہن کر تم آگ سے محفوظ رہتے، لیکن وہ لباس غائب

ہو گیا۔"

"ہاں!"

"اب تم دوسرا باس تیار کر رہے تھے؟"

"ہاں!"

"اور یہی شخص تمہارا باس ہے؟"

"ہاں!"

"اور اس قبر میں کوئی بزرگ دفن نہیں ہے؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور اگر دفن بھی ہوں تو کیا کوئی بزرگ کوئی ایسا اختیار رکھتا ہے۔ جس قسم کے اختیارات گنوائے جاتے ہیں۔ بتائے جاتے ہیں۔"

"نہیں۔ یہ سب ڈراما ہے۔ مرنے کے بعد انسان تو کیا زندگی میں کوئی انسان کسی نے بھلے بُرے کا اختیار نہیں رکھتا۔"

"شکریہ! آپ لوگوں نے سُن لیا۔ اب ان کو پکڑ کر سزا خود دو گے یا ہم انھیں قانون کے حوالے کر دیں؟"

"قانون کے حوالے کر دیں۔ ہم ان کے خون سے ہاتھ نہیں رنگیں گے۔"

"شکریہ دوستو! ہم چند دن یہاں ٹھہریں گے اور آپ لوگوں کو اصل دین سکھائیں گے۔"

"آپ کا نام کیا ہے؟" کسی نے پوچھا۔

"مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔"

"کیا۔ انسپکٹر جمشید؟" مجمع چلّایا۔

"ہاں! انسپکٹر جمشید۔"

"انسپکٹر جمشید!" ایک نے نعرہ لگایا۔

"زندہ باد۔"

اور وہ مجرموں کی طرف بڑھنے لگے۔

لکی نمبرز
پر ۲۰۰۰ روپے کے نقد انعامات

- اِس ماہ شائع ہونے والے ناول "مجرمانہ قدم"، "کہانی کے مجرم"، "خوف کی بستی" اور "ڈرامے کی آگ" کے سرورق کی بیک پر لکی نمبر درج ہے۔
- آئندہ ماہ شائع ہونے والے ہر نئے ناول پر بھی لکی نمبر درج ہو گا۔
- آپ اپنا ناول خرید کر اپنے پاس محفوظ رکھیں۔ ہو سکتا ہے۔ لکی نمبر آپ کا ہی نکل آئے۔
- ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعے ہر ناول کے لکی نمبر کا اعلان کیا جائے گا اور ہر ناول کے لکی نمبر پر آپ کو ۵۰۰ روپے کا نقد انعام ملا کرے گا۔
- اِس ماہ کے ناولوں کے لکی نمبرز کا اعلان آئندہ ماہ کے ناولوں میں کیا جائے گا۔ آئندہ ماہ کے ناولوں کے حصول کے لیے اپنا آرڈر قریبی بک سٹال پر نوٹ کروائیں یا پھر ادارے کو خط لکھیں۔ شکریہ!

لکی نمبرز
شروع ہونے کے بعد سے

- اکثر شہروں سے ناول نہ ملنے کی اطلاعات ملی ہیں۔ خاص طور پر کراچی سے۔
- اس سلسلے میں آپ اتنا کریں کہ اپنے بک سٹال والے کے پاس پہلے ہی پیسے جمع کروا دیا کریں۔
- یا پھر پہلے ہی ہمیں ایک خط لکھ دیا کریں کہ یہ ناول بذریعہ وی پی ارسال کر دیں۔
- اس صورت میں کسی بھی شہر کے کسی بھی حصے کے قاری کو کتابیں بروقت اور آسانی سے مل جایا کریں گی۔
- اور آپ انتظار کی مصیبت سے صاف بچ جایا کریں گے۔
- آج ہی سے اس نسخے پر عمل کریں۔

شکریہ!

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۴۸

— پہلا حصہ —

زندہ قبرستان

مصنف : اشتیاق احمد

- ○ محمود ، فاروق اور فرزانہ کو ایک فون ملا —
- ○ مسلم ہال میں ٹائم بم رکھ دیا گیا تھا اور وہاں تمام اسلامی ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس ہو رہی تھی —
- ○ وہاں انسپکٹر جمشید بھی موجود تھے —
- ○ مسلم ہال میں بم کہاں تھا؟ یہ سوال ان کے لیے حد درجے خوف ناک تھا —
- ○ بم پھٹنے میں بہت تھوڑا وقت تھا —
- ○ انسپکٹر جمشید نے کانفرنس روکنے سے انکار کر دیا —
- ○ ۲۰- اکتوبر کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۴۹

— دوسرا حصہ —

قبرستان کی موت

مصنف : اشتیاق احمد

- ○ محمود ، فاروق اور فرزانہ ایک تہ خانے میں بے ہوش پڑے پائے گئے۔
- ○ ان کی بے ہوشی کا راز کیا تھا؟
- ○ انھوں نے سازش کا کھوج کیسے لگایا؟
- ○ سازش کیا تھی؟
- ○ مجرم کون تھا؟
- ○ اور جب انسپکٹر جمشید کی گرفتاری کا حکم دے دیا گیا —
- ○ انسپکٹر جمشید کو آپ عجیب روپ میں دیکھیں گے —
- ○ زبردست جوڑ توڑ والا ناول —
- ○ ۲۰- اکتوبر کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —

— لکی نمبر پر ۵۰۰ روپے کا نقد انعام —

○

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۵۰

وار پر وار

مصنف : اشتیاق احمد

○ ایک خوف ناک مجرم سے ملیے —

○ وہ شہر میں کیا کر رہا تھا —

○ ایک آدمی سڑک پر کچلا پڑا تھا —

○ مجرم ہر حال میں اس زخمی کو ختم کرنا چاہتا تھا —

○ لہٰذا وار پر وار شروع ہو گئے —

○ لیکن ان واروں کا مقصد کیا تھا؟

○ انسپکٹر جمشید پارٹی اس زخمی کو بچانے پر تل گئی —

○ سنسنی خیز لمحات آپ کو چکرا کر رکھ دیں گے —

○ ۲۰۔ اکتوبر کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —

— لکی نمبر پر ۵۰۰ روپے کا نقد انعام —

○

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۵۱

راڈیا کا قتل

مصنف : اشتیاق احمد

○ اس کے ہاتھ پر ایک گھڑی بندھی تھی —

○ دیکھتے ہی دیکھتے گھڑی چمکنے لگی —

○ ایک ایسی وادی کی کہانی — جہاں کا قانون ان کا دشمن بن گیا —

○ انھیں ہتھکڑیاں لگا کر عدالت میں پیش کیا گیا —

○ انسپکٹر جمشید کو اپنی وکالت خود کرنا پڑی —

○ مجسٹریٹ نے انھیں دو سال کی سزا سنائی —

○ اس ساری کارروائی کے پیچھے ایک بھیانک راز کام کر رہا تھا —

وہ راز کیا تھا؟

○ ۲۰۔ اکتوبر کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —

اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول
اِس ماہ کے ناول
۵۴۳ مجرمانہ قدم انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۴ کہانی کے مجرم انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۵ خوف کی بستی انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۶ ڈرامے کی آگ انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۷ چوری کی لڑکی نئی نسل نیا ادب ۷/۵۰
۲۶ خفیہ تحریر انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۲۷ نقاب کے پیچھے انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۲۸ ہوا کے قیدی انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۳۰ آخری پیکٹ انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
آئندہ ماہ کے ناول
۵۴۸ زندہ قبرستان انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۹ قبرستان کی موت انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۵۰ وار پر وار انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۵۱ راڈیا کا قتل انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۵۲ اژدھے کا بیگ نئی نسل نیا ادب ۷/۵۰
۳۲ ملاشا کا زلزلہ دوسرا خاص نمبر ۴۰ روپے
لکی نمبر 3380
اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد — مسلم پورہ — سانده کلاں، لاہور۔ فون: ۳۲۱۵۳۷
برانچ آفس بازار لوہاراں — جھنگ صدر۔ فون: ۳۲۹۵